Date of Publication: 23-06-2013 PRICE Rs. 2/-

POSTED ON 24-25 July 2013
R.N.I No. 2186/57

POSTAL REGN. NO. DL (C) -01/1195/2012-14
Licensed to Post Without Prepayment U(C)160/2012-14

HAMARI ZABAN (WEEKLY)

ہفت روزہ

ہماری زبان

انجمن ترقی اردو (ہند) نئی دہلی

1-7 August 2013 | یکم تا ۷ /اگست ۲۰۱۳ء

Issue: 29, Vol.: 72 | شمارہ نمبر:۲۹، جلد نمبر:۷۲

پہلی قسط

ہندستان کے آئین میں اردو کی حیثیت

پروفیسر انوار الیقین (B-304، اسٹیلر کنکس روڈ، F-32، سیکٹر 50، نوئیڈا، یوپی)

آزادی سے قبل نصف صدی کے حالات پر نظر ڈالی جائے تو بات یہی نکلتی ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان جو ملک کی سب سے بڑی آبادیاں تھیں ایک میل جول اور بھائی چارے کا ماحول رہا تھا، اگرچہ کبھی کبھی کہیں کہیں دو فرقوں کے درمیان حالات وقتی طور پر کشیدہ ہو جاتے تھے لیکن ویسے ایک پرسکون ماحول ان کی سماجی زندگی کا بنیادی پہلو تھا۔ دونوں ایک غیر ملکی حکومت کی رعایا تھے اور ان کے درمیان کوئی ایسا مسئلہ نہیں تھا جس کی نوعیت سیاسی ہو۔ ہندوؤں اور مسلمانوں نے مل کر ایک طویل جنگ ہندستان کو غلامی سے نجات دلانے کے لیے لڑی تھی۔

آزادی سے چند برس قبل یہ طے ہو گیا کہ آزاد ہندستان میں ایک پارلیمانی جمہوری نظام ہوگا۔ پارلیمانی نظام میں حکومت ان کی ہوتی ہے جنھیں قانون ساز مجالس میں اکثریت حاصل ہو۔ اس وقت ہندستان میں ہندوؤں کی تعداد کوئی 85 فیصد تھی اس طرح اکثریت کا مطلب ہندو اکثریت تھا۔ بقیہ آبادی میں مسلمان، سکھ، عیسائی، پارسی اور اینگلو انڈین تھے۔ یہ سیاسی اعتبار سے تسلیم شدہ اقلیتیں تھیں۔ پہلی تین مذہبی اقلیت تھیں، چوتھی مذہبی اور نسلی اور پانچویں نسل، زبان اور مذہب کے اعتبار سے اقلیت تھیں۔ ان کے علاوہ بے شمار ایسی اکائیاں تھیں جن کی اپنی الگ زبان اور ثقافت تھی۔ وہ عام آبادی میں ضم ہو کر اپنا تشخص اور اپنی پہچان کھونا نہیں چاہتی تھیں۔ وہ نہیں چاہتی تھیں کہ تعداد کی کمی کی وجہ سے ان کے ساتھ امتیازی سلوک ہو۔

آزاد ہندستان کے لیے ایک آئین ساز اسمبلی کی تشکیل ۹ دسمبر ۱۹۴۶ کو ہوئی، جس نے آئین کی تکمیل نومبر ۱۹۴۹ میں کی۔ اسمبلی کے قیام کے دوران دو بڑے مسائل زیر بحث رہے، ایک یہ کہ جمہوری نظام میں مسلمانوں اور دوسری سیاسی اقلیتوں کو کس طرح کے سیاسی حقوق حاصل ہوں جس کے ذریعے انھیں پارلیمنٹ اور ریاستی اسمبلیوں میں تعداد کے لحاظ سے نمائندگی حاصل ہو۔ اس مسئلے پر کانگریس یہی چاہتی رہی کہ کوئی ایسا نتیجہ نکلے جو اکثریت اور اقلیت دونوں کے لیے قابل قبول ہو۔

دوسرا مسئلہ یہ تھا کہ اقلیتوں کے لیے کچھ ایسے حقوق کی ضمانت دی جائے جن کا تعلق ان کی زبان، تعلیم اور ثقافت سے ہو۔

لیکن جب ملک کا سیاسی پس منظر تیزی سے بدلنے لگا اور یہ طے ہو گیا کہ ہندستان کو مذہبی بنیاد پر تقسیم ہونا ہے تو اسمبلی کے اندر ماحول بدل گیا۔ تقسیم کے اعلان کے نتیجے میں قتل و غارت گری، ہندوؤں اور مسلمانوں میں آپسی منافرت، پاکستان میں ایک اسلامی مملکت کے قیام کا اعلان، مہاتما گاندھی کا قتل اور سماجی افراتفری کے حالات وہ عوامل تھے جنھوں نے اسمبلی کے اندر سارا ماحول ہی بدل دیا۔ اب اسمبلی میں اقلیتوں کے سیاسی حقوق کے تحفظات کی بات کرنے والا کوئی نہ رہا۔

لیکن اسمبلی نے اگرچہ اقلیتوں کو کسی طرح کے سیاسی حقوق دینے سے انکار کر دیا، اس نے اپنے اس موقف سے انحراف نہیں کیا کہ اقلیتوں کو غیر سیاسی نوعیت کے حقوق دیے جائیں اور آئین میں ان کے تحفظ کی ضمانت دی جائے۔ اسمبلی نے آئین میں جن حقوق کی ضمانت دی ان کی تفصیل کچھ اس طرح ہے: آرٹیکل دفعہ 29(1) میں تحریر کیا گیا ہے کہ ہندستانی شہریوں میں اگر کسی طبقے کی اپنی الگ زبان، طرز تحریر یا ثقافت ہے تو اُسے ان کے تحفظ کا حق حاصل ہوگا۔

آرٹیکل 29(2) نے صراحت کی کہ کسی بھی شہری کو کسی ایسے تعلیمی ادارے میں جو سرکاری ہو یا جسے سرکار کی طرف سے مالی امداد ملتی ہو محض مذہب، نسل، ذات یا زبان کی بنیاد پر داخلہ لینے سے نہیں روکا جائے گا۔ آرٹیکل 30(1) میں تحریر کیا گیا کہ سبھی اقلیتوں کو، خواہ ان کی بنیاد مذہب ہو یا زبان، یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ اپنی پسند کے تعلیمی ادارے قائم کر سکیں اور ان کو چلا سکیں۔

آرٹیکل A 350 میں تحریر کیا گیا کہ ہر ریاست اور اس کے سبھی صاحب اختیار افراد یا اداروں پر لازم ہوگا کہ وہ اقلیتی طبقوں کے بچوں کی ابتدائی (پرائمری) تعلیم ان کی اپنی مادری زبان میں ہونے کے لیے مناسب سہولتیں بہم پہنچائیں۔ مزید یہ کہ صدر جمہوریہ کو اختیار ہوگا کہ اس مقصد کے حصول کے لیے کسی بھی ریاست کو ہدایات جاری کریں۔

آرٹیکل B 350 کے تحت صدر جمہوریہ کو اختیار دیا گیا کہ وہ ایک اسپیشل آفیسر کا تقرر کرے جو ان تحفظات پر عمل درآمد کو یقینی بنائے جو آئین کے تحت لسانی اقلیتوں کو حاصل ہیں اور صدر جمہوریہ کو متعلقہ سبھی امور پر اپنی رپورٹ پیش کرتا رہے۔ یہ بھی تحریر کیا گیا کہ ایسی رپورٹوں کو پارلیمنٹ میں پیش کیا جائے گا اور متعلقہ ریاستی حکومتوں کو بھیجا جائے گا۔

حق کی بات تو یہ ہے کہ ایسے وقت میں جب مذہبی جنون، تعصب اور سیاسی رقابت نے بڑے پیمانے پر انتشار کی کیفیت پیدا کر دی تھی، اقلیتوں کے لیے آئین میں کچھ تعلیمی، لسانی اور ثقافتی حقوق کا اندراج اور ان کے تحفظ کی ضمانت دینا آئین بنانے والوں کی فراخ دلی، دوراندیشی اور معقول پسندی کی بہترین مثالیں ہیں۔

جہاں تک اردو زبان کی آئین میں حیثیت کا سوال ہے جو اس مختصر مضمون کا موضوع ہے، چند نکات کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ ۱۹۵۰ سے (جب آئین نافذ کیا گیا) اب تک سیکڑوں مقدمات آرٹیکل 29 اور 30 میں مندرج حقوق کو لے کر مختلف ہائی کورٹوں اور سپریم کورٹ کے سامنے آئے ہیں۔ عدالتوں نے اپنے فیصلوں میں ان حقوق کے مختلف پہلوؤں کی تشریح و توضیح کی ہے۔ ان پر نظر ڈالنے سے جو بات سامنے آتی ہے وہ مختصراً درج ذیل ہے:

۱- اردو زبان کی اپنی ایک جداگانہ حیثیت ہے جس کا اپنا مخصوص طرزِ تحریر ہے اور جو ایک مخصوص تہذیب و ثقافت کا حصہ ہے۔ آرٹیکل 29(1) کے تحت اردو کو اسی حیثیت میں برقرار رکھنے اور اس کی ترویج و ترقی کی ضمانت حاصل ہے۔

۲- جہاں تک اس کا سوال ہے کہ کیا کسی اقلیت کو اختیار ہے کہ وہ اپنی زبان کو ذریعہ تعلیم بنا سکے، تو ایسا کوئی حق آئین میں صراحتاً نہیں دیا گیا ہے۔ لیکن یہ حق آرٹیکل 29(1) اور 30(1) میں جو زبان

استعمال کی گئی ہے اس میں مضمر ہے۔ اگرچہ آرٹیکل (1)29 میں ایسے ارادے کا ذکر نہیں ہے جس کو اپنا کر زبان یا رسم الخط کی حفاظت کی جاسکے۔ عدالتی فیصلوں میں یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ آرٹیکل (1)29 میں یہ حق پوشیدہ ہے۔ مزید یہ کہ آرٹیکل (1)30 میں اقلیتوں کو اپنی پسند کے تعلیمی ادارے قائم کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔ ہائی کورٹوں اور سپریم کورٹ نے اپنے فیصلوں میں بارہا کہا کہ زبان کی ترقی کے لیے تعلیمی ادارے ایک موثر ذریعہ ہیں۔ ان عدالتوں نے اپنے فیصلوں میں وضاحت کی ہے کہ آرٹیکل 29 اور 30 میں جو طرز تحریر استعمال کی گئی ہے اس میں ذریعہ (Medium of Instruction) کے انتخاب کا حق مضمر ہے۔

۳- اس سوال پر کہ کیا ایسے تعلیمی ادارے کو حکومت سے تسلیم کرانے کا حق (Recognition) ہے، جس میں اردو ذریعہ تعلیم ہو تو عدالتی فیصلوں سے اس کا جواب یہ ملتا ہے کہ یہ حق آرٹیکل (1)30 میں مضمر ہے اگرچہ اس آرٹیکل میں جو زبان استعمال کی گئی ہے اس میں اس کی صراحت نہیں کی گئی ہے۔ عدالتوں کا یہ بھی کہنا ہے کہ حکومت کسی ادارے کو تسلیم کرنے کے لیے کچھ شرائط عائد کرنے کا حق رکھتی ہے لیکن یہ شرائط ایسی بھی نہیں ہوسکتیں کہ جن سے ادارہ قائم کرنے کا حق ہی ختم ہوجائے گا۔

۴- اس سوال کا کہ کیا اردو میڈیم ادارے کو کسی یونیورسٹی سے الحاق کا حق ہے؟ جواب یہ ہے کہ یہ حق بھی حاصل ہے۔ ہائی کورٹوں اور سپریم کورٹ نے اپنے فیصلوں میں الحاق کی اہمیت پر زور دیا ہے اس لیے کہ ڈگری اور سرٹیفکیٹ دینے کا حق تو صرف یونیورسٹی یا اسی جیسے اداروں کو ہی ہوتا ہے۔ البتہ الحاق کے لیے یہ ادارے شرائط عائد کرسکتے ہیں، بشرطیکہ مناسب و معقول ہوں۔

۵- جہاں تک سرکاری امداد کا سوال ہے، آرٹیکل (2)30 نے مملکت پر یہ پابندی عائد کی ہے کہ امداد دیتے وقت کسی تعلیمی ادارے کے ساتھ امتیاز محض اس بنا پر نہیں برتا جاسکتا کہ وہ ادارہ کسی اقلیت کے زیر انتظام ہے۔ فیصلوں سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ امداد حاصل کرنے کا حق آرٹیکل (2)29 اور (2)30 میں مضمر ہے۔ عدالتوں کا کہنا ہے کہ محض پرائیویٹ عطیات پر تعلیمی اداروں کو چلانا مشکل بلکہ اکثر صورتوں میں ناممکن ہے، اس لیے سرکاری امداد کا حق تعلیمی ادارے قائم کرنے کے حق میں مضمر ہے، لیکن مملکت کو معقول شرائط عائد کرنے کا حق ہے۔

۶- ایک سوال یہ ہے کہ کیا اقلیتی تعلیمی اداروں میں شیڈولڈ کاسٹس (درج فہرست ذاتوں) اور شیڈولڈ ٹرائبس (درج فہرست قبائل) یا او بی سی (دیگر پس ماندہ طبقات) کے طلبہ کے لیے نشستیں مختص (ریزرو) کی جاسکتی ہیں؟ جواب نفی میں ہے۔ سنہ ۲۰۰۵ میں آئین میں ترمیم کی گئی جس کے ذریعے آرٹیکل (5)15 میں صراحت کی گئی کہ جہاں تک درج فہرست ذاتوں اور قبائل یا تعلیمی اعتبار سے پسماندہ طبقات کا سوال ہے مملکت کو اختیار ہوگا کہ ان کے لیے تعلیمی اداروں میں داخلوں کا اہتمام کرے خواہ ان اداروں کو سرکاری امداد ملتی ہو یا نہیں۔ لیکن وضاحت کی کہ اس کا اطلاق اقلیتی تعلیمی اداروں پر نہیں ہوگا جنھیں آرٹیکل (1)30 میں اپنے طور پر تعلیمی ادارے قائم کرنے کا حق حاصل ہے۔

اسی اصول کی مزید وضاحت پارلیمنٹ ۲۰۰۶ میں ایک قانون بنا کر کردی جس کا تعلق مرکزی تعلیمی اداروں میں داخلوں میں ریزرویشن سے ہے۔

جہاں تک اس کا سوال ہے کہ کیا اردو کو وہ حق ملا، کہ جس کی وہ حقدار تھی تو چند سطور لکھنا ضروری ہے۔ مغل حکمرانوں کے دور میں فارسی سرکاری زبان تھی۔ ۱۸۳۷ میں فارسی کی جگہ اردو سرکاری زبان بن گئی اور اس کا استعمال فارسی رسم الخط میں سرکاری، عدالتی اور تعلیمی امور میں ہونے لگا۔ سنہ ۱۹۰۰ میں انگریزی حکومت کی طرف سے ایک حکم نامے کے ذریعے اردو اور ہندی کو برابر کا درجہ دے دیا گیا اور دونوں کو سرکاری زبان کی حیثیت حاصل ہوگئی۔ لیکن عملاً ہندوستان کے ان علاقوں میں جو اب مختلف شمالی مغربی ریاستوں میں آتے ہیں، اردو کو ترجیحی حیثیت حاصل رہی۔ ہندی کی سرکاری حیثیت محض علامتی تھی، اس لیے کہ شمالی مغربی صوبوں میں سرکاری کام کاج میں عام طور پر اردو کا ہی استعمال ہوتا رہا۔

آئین ہند میں (جسے ۱۹۵۰ میں اپنایا گیا) اعلان کیا گیا کہ ہندی دیوناگری رسم الخط کے ساتھ مرکزی سرکاری زبان ہوگی۔ ساتھ میں کہا گیا کہ انگریزی زبان پندرہ سال یعنی ۱۹۶۵ تک سرکاری زبان رہے گی۔ پارلیمنٹ کو اختیار دیا گیا کہ وہ اس مدت میں توسیع کرسکے۔ لیکن مختلف ریاستوں اور حلقوں سے ہندی کی سرکاری حیثیت کی مخالفت ہوتی رہی، اس لیے پارلیمنٹ انگریزی زبان کی مدت بڑھاتی رہی۔ اس طرح انگریزی اب بھی سرکاری زبان کی حیثیت میں استعمال ہوتی ہے اور ہندی کے ساتھ ابھی بھی مرکز اور بعض ریاستوں میں استعمال ہوتی ہے۔ انگریزی کئی ریاستوں میں وہاں کی مقامی زبان کے ساتھ استعمال ہوتی ہے۔

(باقی آئندہ)

دوسری اور آخری قسط

دبستانِ آرکاٹ کا تاریخی، سماجی اور ادبی پس منظر

ڈاکٹر جاویدہ حبیب

اردو لکچرر، اکادمی آف اسلامک ریسرچ، ایس۔ آئی۔ ای۔ ٹی۔ کالج کیمپس، چنئی - ۶۰۰۰۱۸

سید شاہ عبدالقادر شاہ میراں حسینی ولی اللہ میراں تخلص کرتے تھے۔ آپ کو دکنی اور فارسی دونوں زبانوں پر عبور حاصل تھا۔ آپ نے ۹ جمادی الآخر 1146ھ کو انتقال فرمایا۔[۲۳] آپ کا مزار آرکاٹ سے چند میل کے فاصلے پر بہ مقام آدم کی پہاڑی پر واقع ہے۔

نواب سعادت اللہ خاں کے عہد کے ایک اور قادر الکلام شاعر حضرت شاہ محمد حق نما آرکاٹی تھے۔ آپ حضرت میراں شاہ ولی اللہ کے فرزند اور 'تحفۂ عبادت' اور 'تحفۂ معرفت' کے مصنف تھے۔ مولوی نصیرالدین ہاشمی نے اپنی کتاب[۲۴] 'مدراس میں اردو' میں شاہ محمد کی ایک اور مثنوی 'قصۂ موسیٰ' کی نشان دہی کی ہے۔ اول الذکر دو مثنویوں میں شاہ محمد نے شریعت اور طریقت کے مسائل کی تفہیم کی ہے۔ ان مثنویوں میں مصنف نے اپنے منظوم واقعات حیات بھی تحریر کیے ہیں جن کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ وہ اپنے والد حضرت میراں شاہ ولی اللہ ہی کے مرید تھے۔ شاہ محمد نے اپنے والد کو بارہویں صدی کے ممتاز اولیا میں سے ایک قرار دیا ہے اور یہ اطلاع بھی دی ہے کہ آپ ہمیشہ آدم کی پہاڑی پر مصروف عبادت رہا کرتے تھے۔ حج کے دوران کوئی سواری استعمال نہیں کی، چنانچہ مثنوی 'تحفۂ معرفت' میں حضرت شاہ محمد آرکاٹی لکھتے ہیں:

میں آ پہنچا ہوں قبلہ گاہ کا مرید
ہمی نام میراں صاحب سو ولی جیسے
صدی بارہویں کے ولیاں میں سکل
ولی ہیں کے یو شاہ میراں قول
کرامات ہیں ان کے بھی سر بسر
ہر ایک طور مشہور گھر سے گھر
میں کتا ہوں بوجوے خاص و عام
حضوری میں تھا شیران کے مدام
تہجد کے وقت آ وظیفے سے
ادب سات آ بیٹھ کر سامنے[۲۵]

نواب سعادت اللہ خاں کے پیش کار لالہ جسونت رائے منشی فارسی اور اردو کے باکمال شاعر تھے۔ انھوں نے 'سعید نامہ' کے نام سے فارسی میں نواب سعادت اللہ خاں کے حالات پر مشتمل ایک مفصل تاریخ لکھی ہے جس میں ان کے متعدد قصیدے بھی شامل ہیں۔[۲۶] ڈاکٹر اقبال نے 'سعید نامہ' میں صرف ایک قلمی نسخہ اسٹیٹ لائبریری حیدرآباد کی نشان دہی کی ہے۔[۲۷] حالاں کہ مولوی نصیرالدین ہاشمی نے اپنی کتاب 'مدراس میں اردو' مطبوعہ ۱۹۳۸ء میں اس کتاب کے ایک اور مخطوطے کا حوالہ دیا تھا جو کتب خانہ دفتر دیوانی و مال حیدرآباد میں محفوظ ہے۔[۲۸]

نصیرالدین ہاشمی، منشی کو شاعر کے ساتھ ساتھ بلند پایے کا انشا پرداز بتاتے ہوئے لکھتے ہیں:

"غرض کہ منشی نہ صرف شاعر تھے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ایک بلند پایہ انشا پرداز بھی تھے۔ محمد امین اسرائیلی کا تعلق ان کے سررشتہ ہی سے تھا۔ انھوں نے ایک کتاب 'گلشن سعادت' میں اس زمانے کے خطوط جمع کیے ہیں اس میں جسونت رائے کے خطوط بھی شامل ہیں۔ ان سے بھی ان کی فارسی قابلیت کا بخوبی اظہار ہوتا ہے۔"[۲۹]

جسونت رائے منشی نے اردو یا دکنی زبان میں 'گلدستۂ عشق' کے نام سے ایک مثنوی بھی اپنی یادگار چھوڑی ہے جس کا قصہ غواصی کی مثنوی 'سیف الملوک بدیع الجمال' پر مبنی ہے۔[۳۰] مولوی نصیرالدین ہاشمی نے اپنی کتاب 'مدراس میں اردو' میں منشی کی دکنی غزلوں کے تیرہ اشعار اور مثنوی 'گلدستۂ عشق' کے چند اشعار نقل کیے گئے ہیں۔[۳۱]

ایک غزل کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

چاند ثریا کے کیا گل کو ترے رو کے اگل
خوں ہوا نافہ کا دل نکہت گیسو کے اگل
دیکھ کر روپ رہے دوست تحیر کے بنے
جب تو اس شوخ کے آہو زانو کے اگل
کیا ہے وہ سرو سہی کیا ہے وہ صنوبر کی مثال
کیا جو شمشاد کہتے قامت دل جو کے اگل[۳۲]

نواب سعادت اللہ خاں کے عہد میں دکنی اردو اور فارسی کے متعدد شعرا اور ادیب آرکاٹ میں اپنی ادبی اور فنی صلاحیتوں کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ مذکورہ بالا اردو مصنفین کے علاوہ درج ذیل فارسی شعرا اور نثر نگار بھی اس دور میں آرکاٹ کی زینت بنے ہوئے تھے۔ محمد امین اسرائیلی، قزلباش خاں، فضل اللہ خاں، آغا محمد مقیم دکنی رہتے اور سنتے رہاتے۔

نواب سعادت اللہ خاں کی وفات 1147 کے بعد ان کے برادر زادہ نواب غلام علی خاں کے فرزند نواب علی دوست خاں کو کرناٹک کا نواب مقرر کیا گیا۔ ڈاکٹر افضل الدین اقبال 'تاریخ النوائط' کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"اس زمانے میں مرہٹوں کی قوت آگرہ سے لے کر کرناٹک اور اڑیسہ کے مغربی حصوں تک بڑھ رہی تھی۔ بالاجی باجی راؤ کے وقت مرہٹے آرکاٹ پر حملہ کر کے چوتھ کی رقم وصول کرنے لگے تھے، لیکن اس کے باوجود بقول مولف 'تاریخ النوائط' نواب علی دوست خاں نے اس قدر خوب صورتی کے ساتھ ریاست کا انتظام کیا اور درباریوں کے ساتھ ان کا برتاؤ ایسا عمدہ تھا کہ مخالفین کے دلوں میں بھی ان کی محبت پیدا ہو گئی۔"[۳۳]

نواب علی دوست خاں کے دور میں جب سید شاہ حمید اولیا (کانجی پورم) نے داعی اجل کو لبیک کہا تو علی دوست خاں نے آپ کے مزار مبارک پر ایک عالی شان گنبد تعمیر کروایا۔ نواب علی دوست خاں کے دور میں متعدد اتقیا، صوفیا، شعرا اور اُدبا آرکاٹ کی رونق بڑھا رہے تھے جن میں چند کے نام یہ ہیں: میر مرتضیٰ متروحی، زین العابدین خاں دیوان، شیخ صبغت اللہ، سید شاہ علی محمد حسین قادری، مولوی قاضی نظام الدین محمد صغیر آرکاٹی، مولوی ندیم اللہ خاں ندیم آرکاٹی، شیخ احمد سوانح نگار، محمد عبید اللہ شہید آرکاٹی، مولوی نصیر الدین محمود، مولوی محمد غوث شرف الملک بہادر آرکاٹی، مولوی غلام محی الدین متجر آرکاٹی، نواب غلام علی خاں، نواب باقر علی خاں، باقر حسین رازق آرکاٹی، محمد اسلم خاں شایاں آرکاٹی، غوثی آرکاٹی، حکیم شاہ عثمان خاں سرور آرکاٹی، فرخ بخش آرکاٹی وغیرہ۔[۳۴]

غرض نواب سعادت اللہ خاں سے ۱۱۲۲ھ میں جس خاندان نوائط کی صوبیداری کا آغاز ہوا تھا وہ نواب محمد سعید سعادت اللہ ثانی پر ۱۱۵۷ھ میں ختم ہوا۔ نواب سعادت اللہ خاں ثانی ۱۱۵۷ھ میں قتل کر دیے گئے تھے۔ نظام الملک آصف جاہ اول نے اسی سال (1157) نواب انوار الدین خاں کو صوبہ کرناٹک کا ناظم مقرر کیا۔ اس طرح کرناٹک پر ایک نئے خاندان کا دور حکومت شروع ہوا جسے خاندان والا جاہی یا خانِ انوری بھی کہتے ہیں۔[۳۵]

انور الدین خاں نے آرکاٹ کو اپنا مستقر بنایا اور مختلف اضلاع کے انتظام کی ذمہ داری اپنے فرزندوں کو سونپ دی۔ یہی وہ زمانہ ہے جب کہ انگریزی اور فرانسیسی رقابت اپنے نقطۂ عروج کو پہنچ چکی تھی اور ساتھ ہی ساتھ مرہٹوں کی ہنگامہ آرائیاں اس پر مستزاد تھیں۔ ۱۱۶۲ھ/۱۷۴۸ء میں جب آصف جاہ اول نے داعی اجل کو لبیک کہا تو جنوبی ہند کے مختلف علاقے سخت انتشار اور بدنظمی کا شکار ہوئے۔ بقول افضل اقبال "آصف جاہ اول کے نواسے نواب مظفر جنگ جو بیجاپور اور ادھونی کے حاکم تھے، صوبیداری کے مدعی ہوئے، نواب ناصر جنگ نے انگریزوں کی تائید کی تو فرانسیسی نواب مظفر جنگ کے طرفدار تھے۔ 1748 میں فرانسیسی فوج مظفر جنگ اور کرناٹک کے سابق حکمران خاندان سے تعلق رکھنے والے نواب حسین دوست خاں چندا صاحب کی فوجوں نے مل کر نواب انوار الدین خاں کے خلاف امبور میں پڑاؤ ڈالا۔ فرانسیسی فوج نے نواب انور الدین خاں کے لشکر پر حملہ کر دیا۔ نواب انور الدین خاں نے باوجود بڑھاپے کے جوان مردی سے مقابلہ کیا اور عین میدان کارزار میں بعمر 77 سال 16 شعبان 1162 کو قتل ہوئے۔"[۳۶]

نواب انور الدین خاں کی شہادت کے بعد ان کے دو فرزندوں کو قید کر دیا گیا اور نواب محمد علی خاں فرار ہو گئے۔ فورٹ سینٹ ڈیوڈ کنسلٹیشن مورخہ 2 اکتوبر 1749 کے مطابق مدراس کونسل نے فیصلہ کیا کہ انگریزوں کو چاہیے کہ وہ اپنی بہترین فوج کپتان کوپ کے تحت نواب محمد علی خاں کی امداد کے لیے فوراً ترچناپلی روانہ کریں جہاں انھوں نے پناہ لی تھی تاکہ نواب مظفر جنگ، نواب حسین دوست خاں چندا صاحب اور ان کی حامی فرانسیسیوں کا مقابلہ ممکن ہو سکے۔[۳۷]

4 اپریل 1750 کو ناصر جنگ سے مقابلہ کے لیے مظفر جنگ، نواب حسین دوست خاں فرانسیسی افواج کے ساتھ صف آرا ہوئے۔ اس نبرد آزمائی میں بالآخر فرانسیسی فوجوں کے پیر اکھڑ گئے۔ نواب حسین دوست خاں نے راہ فرار اختیار کی، مظفر جنگ کو گرفتار کر لیے جانے کے بعد اطاعت قبول کر لی اور اس طرح ۱۱۶۳ھ/۱۷۵۰ء کو نواب ناصر جنگ نے نواب محمد علی خاں کو کرناٹک کا صوبیدار مقرر کیا۔ دربار دہلی سے نواب محمد علی خاں کی نظامت کی توثیق کر دی گئی۔[۳۸] ۱۱۷۴ھ/۱۷۶۰ء میں نواب محمد علی خاں نے انگریزوں کی معیت میں فرانسیسیوں کے صدر مقام پانڈی چیری پر بھی قبضہ کر لیا۔ اس فتح سے مغل حکمران شاہ عالم بہت خوش ہوئے اور نواب محمد علی کو امیر الہند والا جاہ کے خطاب سے سرفراز فرمایا۔

نواب محمد علی والا جاہ نے ابتدا میں آرکاٹ کو اپنا دار الحکومت بنایا تھا، لیکن ریاست کرناٹک کے مخالفین کی یورشوں کی وجہ سے ۱۱۸۲ھ/۱۷۶۹ء میں آرکاٹ کی جگہ مدراس کو اپنا پایۂ تخت بنایا۔ نواب والا جاہ کا دور حکومت اگرچہ بڑی حد تک پُر آشوب رہا لیکن اس کے باوجود جنوبی ہند کی تاریخ کے ایک یادگار دور کی حیثیت رکھتا ہے۔ انھوں نے اپنے دور میں نہ صرف تہذیبی و ثقافتی خدمات انجام دیں بلکہ علوم و فنون اور شعر و ادب کو پروان چڑھانے میں بھی اپنا غیر معمولی کردار ادا کیا۔ ان کے دور کے تہذیبی اور ادبی آثار میں ایک طرف کئی مساجد اور اولیاء اللہ کی خانقاہیں اور مسافر خانے ہیں تو دوسری طرف خود ان کی شعری تخلیق 'ارشاد والا جاہی' ہے جس کا ایک قلمی نسخہ (مخطوطہ نمبر 229) کتب خانہ سالار جنگ کی زینت ہے۔ مولوی نصیر الدین ہاشمی اس مخطوطے کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "اس مثنوی میں پہلے حمد ہے پھر نعت، اس کے بعد نفس مضمون شروع ہوتا ہے۔ تصوف کے بعض مسائل بیان کیے گئے ہیں۔ ہر عنوان کو شعر میں لکھا گیا ہے۔ تمثیلات میں حکایتیں بھی بیان کی گئی ہیں۔ تخلص والا جاہی لکھا ہے۔"[۳۹]

چوں کہ والا جاہ کے کلام کے بارے میں اب تک کسی محقق نے اظہار خیال نہیں کیا ہے اس لیے یہاں چند اشعار نمونتاً درج کیے جاتے ہیں:

نام ہے ارشاد والا جاہ کر
راز ہے حضرت خضر کا مگر
علم والا جاہ کر نامہ کون جان
مجھ کو اپنے کے تئیں شہ کون پچھان
یک ہزار دو صد و نہ بود سال
1209
شد مرتب نامہ با شرف و کمال
نام حق سوں ختم کر نامہ کتئیں
اب تو والا جاہ رکھ خامہ کتئیں[۴۰]

نواب والا جاہ نہ صرف اہل علم اور سخنور تھے بلکہ علما، فضلا اور شعرا و اُدبا کے قدردان اور سرپرست بھی تھے۔ ان کے دور میں آرکاٹ اور مدراس میں دور دراز علاقوں کے علما، فضلا اور شعرا و اُدبا جمع ہو گئے تھے۔ آپ ہی کی درخواست پر مشہور عالم دین مولانا عبد العلی بحر العلوم فرنگی محلی 1790 میں اپنے خاندان کے ساتھ مدراس آئے تھے اور آزاد بلگرامی کے شاگرد عبد القادر برہان فخری اورنگ آباد سے مدراس آئے، جہاں ان کی خاطر خواہ پذیرائی ہوئی۔ نواب والا جاہ نے ہی علامہ باقر آگاہ کو ان کی دینی اور علمی خدمات کے سلسلے میں زریں گہوارہ عطا کیا تھا اور ملک الشعرا ابجدی کو 'انور نامہ' کے عنوان سے تاریخ کرناٹک قلم بند کرنے پر چاندی میں تولا گیا تھا۔ بحیثیت مجموعی نوابین آرکاٹ کے علمی، ادبی اور شعری کارنامے تاریخ ادب اردو میں ناقابل فراموش ہیں۔

حواشی:

۱ مقدمہ تاریخ دکن، ص ۱۰۳
۲ 'مدراس میں اردو کی نشو ونما' از ڈاکٹر افضل الدین اقبال، ص ۵۹
۳ ایضاً، ص ۷۱
۴ دکنی شاعری تحقیق و تنقید، ص ۱۲۵
۵ 'مآثر الامرا'، جلد دوم، ص ۹۴
۶ 'تزک والا جاہی'، ص ۲۹
۷ 'مدراس میں اردو کی نشو ونما'، ص ۳۷
۸ ایضاً، ص ۳۷
۹ 'دکن کا ابراہیم' مرتب ڈاکٹر محی الدین قادری زور، ص ۱۵
۱۰ 'تاریخ ادب اردو' جلد دوم، حصہ اول، ص ۳۲
۱۱ 'دکنی شاعری تحقیق و تنقید' ڈاکٹر محمد علی اثر، ص ۱۲۶ تا ۱۲۷
۱۲ ایضاً
۱۳ 'آرکاٹ تاریخ کے آئینے میں' مشمولہ 'آرکاٹ اور دیگر مقامات کا ادبی سرمایہ' ص ۹
۱۴ 'مآثر الامرا' از شاہنواز خاں، جلد دوم ص ۹۴
۱۵ 'مدراس میں اردو کی نشو ونما'، ص ۸۲
۱۶ ایضاً، ص ۸۵
۱۷ 'تاریخ النوائط' از عزیز جنگ، ص ۳۱
۱۸ بہ حوالہ 'مدراس میں اردو کی نشو ونما' افضل اقبال، ص ۸۹
۱۹ 'ڈاکٹر حبیب النسا بیگم سید شاہ محمد قادری' مشمولہ 'سب رس' حیدرآباد، اگست 1962
۲۰ مجلّہ مرتب پروفیسر غلام خاں، 1980، ص ۵۰
۲۱ 'مدراس میں اردو' ڈاکٹر افضل الدین اقبال نے اس رسالے کی طرف ایک نسخے کا حوالہ دیا ہے، ص ۹۱
۲۲ 'خلاصۃ الروایت اور اس کا مصنف' مشمولہ مجلّہ تحقیقات 1980، ص ۵۶
۲۳ 'مدراس میں اردو کی نشو ونما'
۲۴ ایضاً، ص ۷۵
۲۵ 'ثمرات عبادت' (قلمی) مخطوطہ محفوظہ اورینٹل مینو اسکرپٹ لائبریری، حیدرآباد (نمبر ۸۹۶ حصہ فقہ)
۲۶ نصیر الدین ہاشمی: 'مدراس میں اردو کی نشو ونما' ص ۱۹
۲۷ ایضاً، ص ۹۳
۲۸ ایضاً، ص ۱۹
۲۹ ایضاً
۳۰ ایضاً، ص ۹۱
۳۱ ایضاً، ص ۲۰
۳۲ ایضاً (اگل بمعنی سامنے اغل نے 'اگل' لکھا)
۳۳ ایضاً
۳۴ ایضاً، ص ۹۶
۳۵ 'آرکاٹ کے قدیم ادیب و شاعر' کاوش بدری، مطبوعہ 'آرکاٹ اور دیگر مقامات کا ادبی سرمایہ' مرتب: ڈاکٹر جلیل عرفان، مطبوعہ 1980، ص ۳۰
۳۶ 'مدراس میں اردو ادب کی نشو ونما' ص ۱۰۲
۳۷ ایضاً، ص ۱۰۶
۳۸ ایضاً، ص ۱۰۷
۳۹ 'تزک والا جاہی' برہان خاں باندی ص ۱۰۹
۴۰ 'ارشاد والا جاہی' (قلمی) مخطوطہ نمبر ۲۲۰، کتب خانہ سالار جنگ، حیدرآباد

●●●

اردو دُنیا

گریجویشن کے طلبہ کو اردو پڑھنا لازمی

اکیڈمک کونسل کی سفارش منظور، تعلیمی سیشن 14-2013 سے نفاذ، نوٹیفکیشن جاری

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا فیصلہ

علی گڑھ (۲۹ر جولائی)۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں بی اے، بی ایس سی اور بی کام کورس میں داخلہ لینے والے طلبہ کو اردو ایک لازمی مضمون کے طور پر پڑھنا ہوگا۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر نے اکیڈمک کونسل کے مشورے سے شعبۂ اردو کے سربراہ پروفیسر محمد زاہد کی کنوینر شپ میں تشکیل کی گئی کمیٹی کی سفارشات کو منظوری دیتے ہوئے اردو کو ایک مضمون کی حیثیت سے بی اے، بی ایس سی اور بی کام کورس میں تعلیمی میقات 14-2013 کے دوران داخلہ لینے والے تمام طلبہ کے لیے لازمی قرار دیا ہے۔

اس نظم کے تحت طلبہ کی تین قسموں کے مطابق اردو کے مختلف النوع نصابات نافذ ہوں گے۔ ایسے طلبہ جنھوں نے سینئر سکنڈری اسکول یا انٹرمیڈیٹ سطح پر اردو کی تعلیم حاصل کی ہے، انھیں 'ایلیمنٹری اردو - اے' پڑھنا ہوگا جب کہ ایسے طلبہ جنھوں نے اردو کی تعلیم کبھی حاصل نہیں کی ہے یا جو اترپردیش سے متصل ریاستوں سے تعلق رکھتے ہیں انھیں 'ایلیمنٹری اردو-بی' پڑھنا ہوگا اور غیر ملکی طلبہ یا ایسے طلبہ جو ہندستان کے دور دراز علاقوں سے تعلق رکھتے ہیں اور جن کا ذکر اے ایم یو ایڈمیشن گائیڈ 14-2013 میں ٹیبل-VI کے تحت درج ہے، انھیں 'غیر مادری زبان (اردو)' پڑھنا ہوگا۔ اے ایم یو رجسٹرار گروپ کیپٹن (ریٹائرڈ) شاہ رخ شمشاد کے دستخط سے جاری نوٹیفکیشن میں کہا گیا ہے کہ بی اے، بی ایس سی اور بی کام (سال اول) میں لازمی اردو کے حاصلات طلبہ کے کل نمبرات میں شامل کیے جائیں گے اور اس سے ڈویژن پر بھی اثر پڑے گا۔ اس مضمون میں پاس ہونے کے لیے طلبہ کو 50 میں سے کم سے کم 17 نمبر حاصل کرنا ہوں گے اور ڈگری کے حصول کے لیے سال دوم تک اس مضمون میں کامیابی حاصل کرنی ہوگی۔ نوٹیفکیشن میں یہ بھی واضح کردیا گیا ہے کہ اس مضمون کی کلاسوں میں 75 فیصد حاضری لازمی ہوگی۔

(راشٹریہ سہارا۔ دہلی)

دہلی کے اسکولوں میں اردو اساتذہ کی تقرری کا راستہ آسان

تقرری میں سی ٹی ای ٹی کی شرط ختم

نئی دہلی (۱۳ر جولائی)۔ دہلی کے اسکولوں میں ڈائرکٹوریٹ آف ایجوکیشن کے ذریعے معاہدے کی بنیاد پر کی جانے والی اردو اساتذہ کی تقرریوں کی راہ میں حائل کچھ تکنیکی الجھنوں کو دور کرتے ہوئے ڈائرکٹوریٹ آف ایجوکیشن نے CTET کی لازمی شرط کو فی الحال ہٹانے کا فیصلہ کیا ہے اور اس سلسلے میں ایک نیا اشتہار بھی شائع کردیا ہے۔

اردو کے گیسٹ اساتذہ کی تقرری کے لیے جاری کیے گئے اس اشتہار میں اردو اساتذہ کو CTET کا امتحان پاس کرنے کی شرط سے چھوٹ دی گئی ہے اور CTET کا اضافی پوائنٹ بھی شامل نہیں کیا گیا ہے۔ قابل ذکر ہے کہ ڈائرکٹوریٹ آف ایجوکیشن اسکولوں میں اساتذہ کی کمی کو پورا کرنے کے لیے معاہدے کی بنیاد پر ایک سال کے لیے اساتذہ کی تقرری کرتا ہے۔ اس سلسلے میں ڈائرکٹوریٹ نے ۲۵ جون کو پی جی ٹی، ٹی جی ٹی اور اسسٹنٹ ٹیچرس کے لیے ایک اشتہار جاری کیا تھا جس میں تمام مضامین اور زبانوں کے ٹیچرس کے لیے CTET پاس ہونے کی شرط کو لازمی قرار دیا گیا تھا اور یہ امتحان پاس کرنے والوں کو ایک اضافی پوائنٹ دینے کا بھی فیصلہ کیا تھا۔ تکنیکی اعتبار سے یہ شرط اردو اساتذہ پر پوری نہیں اترتی تھی کیوں کہ CTET کا سلسلہ کچھ سالوں سے ہی شروع ہوا ہے اور CTET میں کامیاب امیدواروں کی تعداد بھی اتنی زیادہ نہیں تھی کہ ان میں سے اردو اساتذہ کی تقرری کی جاسکے۔ ذرائع کے مطابق گزشتہ برس CTET کے امتحان میں بہت ہی کم امیدوار پاس ہوئے تھے، اس لیے ۲۵ جون کے اشتہار کے مطابق اسکولوں کو اردو اساتذہ ملنے کے امکانات تقریباً معدوم ہوگئے تھے۔

ڈائرکٹوریٹ آف ایجوکیشن کا یہ اشتہار جاری ہوتے ہی کچھ اردو شخصیات اور اردو اکادمی دہلی نے اس سلسلے میں تکنیکی الجھنوں کی جانب ڈائرکٹوریٹ آف ایجوکیشن اور دہلی سرکار کی توجہ مبذول کرائی تھی اور اردو اکادمی دہلی کے وائس چیئرمین پروفیسر اختر الواسع کی قیادت میں ایک وفد نے دہلی کی وزیر اعلا شیلا دکشت اور وزیر تعلیم پروفیسر کرن والیہ سے ملاقات بھی کی تھی اور ان سے کہا گیا تھا کہ چوں کہ CTET کا سلسلہ کچھ سالوں سے ہی شروع ہوا ہے اور ابھی CTET میں کامیاب امیدواروں کی تعداد معتدبہ نہیں ہے، خاص طور سے اردو اساتذہ کی، اس لیے موجودہ صورت حال کے مدنظر اردو میڈیم اساتذہ کو کم از کم دو سال کی مہلت دی جائے اور ان امیدواروں کی درخواستوں پر بھی غور کیا جائے جو ETE یا B.Ed کرچکے ہیں۔ پروفیسر اختر الواسع نے بتایا کہ دہلی کی وزیر اعلا شیلا دکشت اور وزیر تعلیم پروفیسر کرن والیہ نے وعدہ کیا تھا کہ وہ اس سلسلے میں ٹھوس اقدامات کریں گی اور اردو اساتذہ کی معاہدے کی بنیاد پر ہونے والی تقرریوں کی راہ میں حائل الجھن کو دور کرنے کا راستہ نکالیں گی۔ انھوں نے اس سلسلے میں کیے گئے مذکورہ فیصلے پر وزیر اعلا دہلی، وزیر تعلیم اور ڈائرکٹوریٹ آف ایجوکیشن کے افسروں اور ذمہ داران کا شکریہ ادا کیا۔

(راشٹریہ سہارا۔ دہلی)

بہار میں 27 ہزار اردو اساتذہ کی تقرری ہوگی

پٹنہ (۱۷ر جون)۔ بہار کے 71 ہزار اسکولوں میں اردو کے 27 ہزار اساتذہ کے عہدے خالی ہیں جنھیں پُر کرنے کے لیے ستمبر کے پہلے ہفتے میں امتحان منعقد ہوگا۔

(آبشار۔ کلکتہ)

اردو فونٹ اور اردو 'کی بورڈ' مینجر کا اجرا

جدید ترین ٹکنالوجی سے اردو کو ہم آہنگ کرنے کا خواب پورا ہوا۔ کپل سبل

نئی دہلی (۱۲ر جولائی)۔ اردو زبان ہندستانی ثقافت کی روح ہے، اسے جتنا فروغ دیا جائے گا اس میں اتنی ہی تازگی اور خوشبو آئے گی۔ مرکزی وزیر برائے انفارمیشن ٹکنالوجی کپل سبل نے آج یہاں قومی اردو کونسل کے زیر اہتمام تیار کردہ اردو فونٹس اور اردو کی بورڈ مینجر کا اجرا کرتے ہوئے یہ بات کہی۔ انھوں نے کہا کہ جدید ترین ٹکنالوجی سے اردو کو ہم آہنگ کرنے کا ان کا دیرینہ خواب آج پورا ہوگیا۔ اس لحاظ سے ۱۲ر جولائی ۲۰۱۳ کی ایک تاریخی حیثیت ہوگئی ہے۔ انھوں نے کہا کہ اردو ملک کی ایک ایسی زبان ہے جو لوگوں کو ایک دوسرے سے جوڑتی ہے اور اس کی اسی خوبی کے توسط سے ہم نے آزادی کی لڑائی لڑی اور ملک کو آزاد کرایا۔ مسٹر سبل نے کہا کہ اس کے ساتھ ہی ہم اردو بولنے اور جاننے والے عام لوگوں کو نئی تکنیک سے جوڑنا چاہتے ہیں تاکہ وہ اس سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کرسکیں۔ انھوں نے کہا کہ وہ جلد ہی اردو طلبہ و طالبات کو جدید ترین ٹکنالوجی سے لیس ٹیبلیٹ تقسیم کریں گے، جس میں ڈکشنری اور انسائیکلوپیڈیا جیسے بہت سے ذخیرے موجود ہوں گے۔

قومی اردو کونسل (این سی پی یو ایل) کے وائس چیئرمین ڈاکٹر وسیم بریلوی نے اردو فونٹس کے سافٹ ویئر اور 'کی بورڈ' کا اجرا کرنے کے لیے مرکزی وزیر کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ اردو کمپیوٹر اور سافٹ ویئر کی دنیا میں یہ ابتدائی کام ہے۔ اس سمت میں آئندہ جو اقدام کیے جائیں گے دنیا اس سے حیران ہوجائے گی۔

اردو کونسل کے ڈائرکٹر خواجہ اکرام الدین نے اردو فونٹس سے متعلق سافٹ ویئر اور نئے 'کی بورڈ' کا تعارف کراتے ہوئے کہا کہ اس کے آغاز سے اردو کے تمام ونڈوز میں داخل ہونے کا راستہ صاف ہوگیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ اس طرح کے سافٹ ویئر کے لیے اب تک ہم پاکستان کے محتاج ہوا کرتے تھے، اس سمت میں اب ہماری محتاجگی ختم ہونے کے ساتھ ساتھ ایڈوانسڈ بیسڈ سافٹ ویئر کے کھلتے ہی اس میں اردو انڈیا لکھا ہوا ہوگا۔ انھوں نے کہا کہ خط نستعلیق میں اس سافٹ ویئر میں مجموعی طور پر 12 فونٹس ہوں گے۔ خواجہ اکرام الدین نے بتایا کہ انفارمیشن ٹکنالوجی محکمہ کے تعاون سے اردو کونسل نے یہ سافٹ ویئر تیار کیا ہے۔ دہلی اردو اکادمی کے وائس چیئرمین پروفیسر اختر الواسع، فیروز بخت احمد اور پروفیسر ابن کنول کے علاوہ انفارمیشن ٹکنالوجی محکمہ کے افسران اور ماہرین اس پروگرام میں موجود تھے۔

(راشٹریہ سہارا۔ دہلی)

اردو صحافیوں کے لیے قلیل مدتی کورس کا جلد آغاز

نئی دہلی (۱۷ر جون)۔ 'دی انڈین انسٹی ٹیوٹ آف ماس کمیونیکیشن' اردو صحافیوں کو ضروری مہارت فراہم کرنے کے مقصد سے بہت جلد ایک سرٹیفکٹ کورس شروع کرے گا۔ مرکزی وزارت اطلاعات ونشریات کے جاری کردہ ایک بیان میں کہا گیا ہے کہ یہ مختصر مدتی کورس شروع کرنے کا فیصلہ ادارے کار ورما کی زیر صدارت کمیٹی نے کیا۔ ورما متعلقہ اطلاعات ونشریات کی حیثیت سے مذکورہ انسٹی ٹیوٹ کے صدر بھی ہیں۔ حال ہی میں منعقدہ اردو ایڈیٹرس کانفرنس میں وزیر اطلاعات ونشریات منیش تیواری کو اردو صحافت سے وابستہ ہونے والے افراد کو معیاری تربیت دینے کی ضرورت سے واقف کرایا گیا تھا۔ ان مذاکرات کے دوران اردو صحافت کے نمائندوں نے تیواری سے درخواست کی تھی کہ وہ قلیل مدتی کورس کے ذریعے ایسے خواہش مند صحافیوں کی صلاحیتوں کو بہتر بنانے کے اقدام کریں۔ یہ کورس، غیر رہائشی اور تمام ہمہ وقتی یا فری لانس اردو صحافیوں کے لیے ہوگا اور تازہ ترین صحافتی اقدار، ٹکنالوجی کے استعمال، کاپی رائٹنگ اور ٹی وی کے لیے تحریری نگارشات پر توجہ مرکوز کرے گا۔ توقع ہے کہ یہ کورس آئندہ تعلیمی سیشن سے شروع ہوگا۔ مذکورہ انسٹی ٹیوٹ اس کورس کی مدت، نصاب، فیس اور انفراسٹرکچر وغیرہ کو قطعیت دینے میں مصروف ہے۔

(منصف۔ حیدرآباد)

مرکزی و ریاستی حکومتیں

درجہ آٹھ تک اردو کی تعلیم کا معقول بندوبست کریں

لکھنؤ (۱۸ر جولائی)۔ چکبست، دیا شنکر نسیم، رگھوپتی سہائے فراق گورکھپوری جیسے غیر مسلم ادبا و شعرا نے اردو کی بے مثال خدمت کی ہے۔ جنہیں میں اردو اپنے ساتھی سے سیکھی ہے۔ تاریخ جو ہندی میں تحریر ہے وہ اردو میں بھی تحریر ہوا اور صرف مسلم بچوں کو ہی اردو کی تعلیم نہ دے کر بھی بچوں کو آٹھویں تک اردو کی تعلیم دینے کا مرکزی و ریاستی حکومتیں معقول بندوبست کریں۔ ان خیالات کا اظہار قومی تعلیمی مرکز کی جانب سے بیے شنکر پرساد ہال قیصر باغ میں ''نئے تعلیمی سال میں اردو کے فروغ اور ہماری حکومت کی ذمہ داریاں'' کے عنوان سے منعقد سیمینار میں رکن اسمبلی و سابق صدر کانگریس کمیٹی اترپردیش ڈاکٹر ریتا بہوگنا جوشی نے کیا۔ انھوں نے کہا کہ قومی تعلیمی مرکز کی جانب سے اردو کے سلسلے میں جو تجویز دی جاتی ہیں ان سے میں مرکزی حکومت کو نہ صرف واقف کراؤں گی بلکہ اس پر عمل درآمد بھی کراؤں گی۔ مولانا محمد مشتاق ندوی نے تجویز رکھی کہ میں چاہوں گا کہ ترانہ ہندی کی صد سالہ تقریب جو عید کے دن پڑ رہی ہے اس میں عید کی نماز کے بعد ملک کی تمام عیدگاہوں اور مسجدوں میں بعد نماز عید اس ترانے کو پڑھ کر قومی یکجہتی کو فروغ دیں۔ قومی رہنما ڈاکٹر طارق صدیقی نے کہا کہ اردو زبان صرف مسلمانوں کی زبان نہیں ہے بلکہ یہ زبان ہندستانی ہے، اس زبان سے بھی مذہب کا لگاؤ ہے۔ صبیحہ نسرین نے کہا کہ موجودہ دور میں سرکاری انٹر کالج، ہائی اسکول میں اردو مضمون پڑھانے کا بندوبست نہیں ہے۔ نہ تو ہائی اسکول اور انٹر کالج میں اردو مضمون کو لازم قرار دیا جا رہا ہے، ایسی صورت میں جب اردو مضمون ہے ہی نہیں تو طلبہ و طالبات آگے کی تعلیم کیسے حاصل کریں گے۔ ۲۰۱۰ میں 2054 سرکاری ہائی اسکول تھے، جس کو ترقی دے کر انٹر کالج بنایا گیا، ان میں سے صرف 32 اسکولوں میں ہی اردو مضمون کو منظوری دی گئی ہے جو نہایت ہی افسوس ناک بات ہے۔ ڈاکٹر اشوک باجپئی نے کہا کہ ہماری حکومت میں ہی اردو مترجمین اور اردو معلم کی تقرریاں کی گئیں جو ریاست میں پچاس سال تک نہیں کی گئی تھیں۔ سپا حکومت نے تمام سائن بورڈوں پر اردو تحریر کرانے کا حکم جاری کیا اور الوداع و حضرت علی کی یوم پیدائش پر تعطیل بھی ہندستان کی ریاست اترپردیش میں سپا حکومت نے کی اور ہم نے جیل میں ہی اردو لکھنا پڑھنا سیکھا ہے۔ آخر میں صدر جلسہ حاجی عبدالنصیر ناصر نے کہا کہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ کانگریس و سماج وادی پارٹی کے دو سینئر لیڈران نے اردو کو جیل میں رہ کر سیکھا۔ اس موقع پر مختلف تجاویز پیش کی گئیں جس کو اتفاق رائے سے منظور کیا گیا۔ (راشٹریہ سہارا، دہلی)

اردو میڈیم انٹرمیڈیٹ نصابی کتب کی اشاعت

حیدرآباد (۲۲ر جون)۔ حکومت نے اردو میڈیم انٹرمیڈیٹ کے طلبہ کے لیے نصابی کتب کی اشاعت کا کام اردو اکیڈمی کے حوالے کیا ہے تاکہ بروقت طلبہ کو نصابی کتب فراہم کی جاسکے۔ اس سے قبل تک تلگو اکیڈمی یا پھر بورڈ آف انٹرمیڈیٹ کی جانب سے اردو میڈیم انٹر میڈیٹ طلبہ کے لیے نصابی کتب کی اشاعت کا کام انجام دیا جاتا تھا۔ اردو اکیڈمی نے اردو میڈیم طلبہ کو بروقت نصابی کتب فراہم کرنے کے اس کام کو ایک چیلنج کے طور پر قبول کیا ہے اور توقع کی جا رہی ہے کہ جولائی میں ریاست کے تمام اردو میڈیم انٹرمیڈیٹ طلبہ کو سِوکس، فزکس، کیمسٹری، باٹنی اور زوالوجی کے مضامین کی نصابی کتب دستیاب رہیں گی۔ سکریٹری/ڈائرکٹر اردو اکیڈمی پروفیسر ایس اے شکور نے بتایا کہ پہلی مرتبہ حکومت نے انٹرمیڈیٹ کی نصابی کتب کی اشاعت کا کام اردو اکیڈمی کے حوالے کیا ہے اور اس کے لیے 23 لاکھ 77 ہزار 312 روپے کا بجٹ مختص کیا گیا۔ انھوں نے بتایا کہ عام طور پر یہ شکایت تھی کہ اردو میڈیم طلبہ کو نصابی کتب بروقت دستیاب نہیں ہوتے جس کے باعث ان کے نتائج حوصلہ افزا نہیں نکل پا رہے ہیں۔ انھوں نے بتایا کہ بورڈ آف انٹرمیڈیٹ کی جانب سے نصابی کتب کا انگریزی سے اردو میں ترجمے کا کام جاری ہے اور توقع ہے کہ اندرون ایک ہفتہ یہ کام مکمل ہو جائے گا۔ اکیڈمی کو نصابی کتب کی اشاعت کے سلسلے میں ایک ہزار کتابوں کو شائع کرنے کا نشانہ دیا گیا ہے تاہم طلبہ کو کم قیمت پر نصابی کتب کی دستیابی کو یقینی بنانے کے لیے اکیڈمی نے 3000 کتب کی اشاعت کا فیصلہ کیا ہے۔ اشاعت کے بعد طلبہ نصابی کتب اردو اکیڈمی سے حاصل کر سکتے ہیں۔ ریاست کے پرائیویٹ اور سرکاری جونیر کالجوں کے اردو میڈیم طلبہ اس سہولت سے استفادہ کر سکتے ہیں کیوں کہ نئے نصابی کتب تبدیل شدہ نصاب کے لحاظ سے شائع کیے جا رہے ہیں۔ انگلش اور تلگو میڈیم کی بھی انٹرمیڈیٹ سیکنڈ ایئر کی نصابی کتب ابھی اشاعت کے مرحلے میں ہیں۔ (سیاست، حیدرآباد)

اردو میڈیم درسی کتب فوری فراہم کرنے کا مطالبہ

حیدرآباد (۱۳ر جون)۔ تنظیم فروغ اردو زبان، آندھراپردیش کے صدر محمد عبدالصمد اور اراکین عاملہ محمد کمال احمد، میر ماجد علی ریحان، محمد اقبال احمد، محمد ایاز الدین، محمد علیم الدین، محمد واجد علی اور محمد عبدالقیوم نے اپنے مشترکہ صحافتی بیان میں حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ جلد سے جلد اردو میڈیم کے طلبہ کے لیے مفت درسی کتب کی تقسیم عمل میں لائیں۔ انھوں نے کہا کہ اردو اسکولوں میں کوئی تعلیمی سہولت موجود نہیں ہے اور یہ اسکولس کئی مسائل سے دوچار ہیں۔ اگر ضروری سہولیات نہ ہوں تو طلبہ کی تعلیمی ترقی کیسے ممکن ہے۔ نہ درسی کتب کی فراہمی ہے نہ بیت الخلا کا نظم ہے، نہ پینے کے لیے پانی نہ آمد و رفت کی سہولتیں ہیں، نہ وقت پر یونیفارم دیے جاتے ہیں۔ ہر اسکول میں مضمون واری اساتذہ کی کمی ہے۔ ان مسائل سے دوچار طلبہ کس طرح جسمانی، ذہنی اور تعلیمی نشو ونما ہو سکتی ہے۔ ڈاکٹر شیلجا ناتھ (وزیر تحتانوی تعلیم)، کے پارتھا سارتھی (وزیر ثانوی تعلیم)، این کرن کمار ریڈی (چیف منسٹر) سے مطالبہ ہے کہ وہ اردو کے تمام مسائل کو حل کرنے میں پہل کریں۔ (اعتماد، حیدرآباد)

آندھراپردیش میں

اردو میڈیم جونیر کالجوں کی زبوں حالی اور حکومت کی خاموشی

حیدرآباد (۲۱ر جون)۔ آندھراپردیش میں موجود اردو میڈیم مدارس و کالجس کئی مسائل کا شکار ہیں جہاں طلبہ کے لیے موثر سہولیات دستیاب نہیں ہیں، جس کی وجہ سے آئے دن Dropouts کا تناسب گھٹنے کے بجائے بڑھتا ہے۔ حکومت تعلیمی اداروں کے لیے اسکیمیں تو نافذ کرتی ہے لیکن بہت سارے مدارس و کالجس اردو دشمنی کے سبب سہولتوں کے استفادے سے محروم رہ جاتے ہیں۔ جب کہ دوسری جانب اردو کا دم بھرنے والے ادارے اور انجمنیں صرف مشاعروں، ادبی جلسوں اور تہنیتی تقاریب تک اپنے کو محدود رکھے ہوئے ہیں، لہٰذا ان مسائل کی یکسوئی کے لیے اردو داں طبقے کو سنجیدگی کے ساتھ غور کرتے ہوئے چند ٹھوس اقدام کرنے ہوں گے تاکہ ان مدارس اور کالجوں میں پڑھنے والے طلبہ کے مستقبل کو تاریک ہونے سے بچایا جاسکے۔ ایس آئی او آندھراپردیش نے ریاست کے جملہ 18 اضلاع میں موجود 62 اردو میڈیم جونیر کالجوں کا سروے کرتے ہوئے ان حقائق سے پردہ فاش کیا ہے جو ہر اردو داں طبقے کو غور کرنے پر مجبور کر دے گا۔ سروے کے مطابق پوری ریاست میں ہزاروں کالجوں کے درمیان اردو میڈیم جونیر کالجوں کی تعداد صرف 70 تا 75 کے درمیان پائی جاتی ہے، جس کو ریاستی حکومت اپنے زیر انتظام بورڈ کے تحت چلاتی ہے۔ ان تعلیمی اداروں میں تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ کی تعداد تقریباً 13

(بقیہ صفحہ ۷ پر)

اک دیا اور بجھا

اردو کے معروف شاعر شمیم گورکھپوری نے مختصر سی علالت کے بعد ۱۸ر جولائی ۲۰۱۳ کو دوپہر کے وقت گورکھپور (اترپردیش) کے ایک نرسنگ ہوم میں داعی اجل کو لبیک کہہ دیا۔ شمیم گورکھپوری کی نماز جنازہ ان کے گھر کے قریب محلہ روور پور میں واقع بڑی مسجد کے احاطے میں ۱۹ر جولائی کو صبح دس بجے ادا کی گئی اور ان کی تدفین گورکھ ناتھ قبرستان میں عمل میں آئی۔ مرحوم کے پس ماندگان میں صرف ایک بیٹی فردوس ہیں اور ان کے دو نواسے ہیں۔ شمیم گورکھپوری نے ۱۹۵۵ میں شعر و ادب کی دنیا میں قدم رکھا تھا اور اس کے بعد مسلسل نظمیں اور غزلیں کہتے رہے۔ انگریزی ادب کا اچھا مطالعہ ہونے کی وجہ سے ان پر انگریزی کے رومانی شعرا کا بڑا اثر تھا اور بعد میں سفر پاکستان پر وہاں موجود مجنوں گورکھپوری کی تلقین پر انھوں نے انگریزی کے رومانی شعرا کا اردو میں منظوم ترجمہ شروع کیا۔ انگریزی شاعر جان کیٹس اور شیلے کا انھوں نے اردو ترجمہ کیا جو 'پھول کانٹوں کی سیج پر' اور 'بعد مغرب' کے عنوان سے منظر عام پر آیا۔ یوں تو انھوں نے نظموں اور غزلوں دونوں میں طبع آزمائی کی لیکن ان کی نظموں کو خاص مقبولیت حاصل ہوئی۔ غزلوں میں ان کا اپنا مخصوص رنگ تھا۔ ان کی غزلوں کے مجموعوں 'پھول اور شبنم' اور 'اشک شبنم' کے علاوہ نظموں کا مجموعہ 'بزم شبنم' منظر عام پر آچکے ہیں۔ وہ اترپردیش اردو اکادمی کے ڈپٹی چیئرمین بھی رہے تھے اور جب انھوں نے انگریزی شاعر جان کیٹس کا اردو میں ترجمہ کیا تو انگلینڈ کی اس وقت کی وزیر اعظم مارگریٹ تھیچر نے انھیں ڈاؤننگ اسٹریٹ لندن میں مدعو کیا اور انھیں خط بھی لکھا۔ انھوں نے اس ترجمے کو ایک بہتر پیش رفت بتایا تھا جس سے شمیم صاحب کو نیا حوصلہ ملا تھا۔

ادارہ 'ہماری زبان' مرحوم کے لیے مغفرت اور پس ماندگان کے لیے صبر جمیل کی دعا کرتا ہے۔ (ادارہ)

○

حیدرآباد۔ بزرگ شاعر ڈاکٹر ساغر جیدی کا ۱۸ر جون ۲۰۱۳ کو دوپہر ساڑھے بارہ بجے انتقال ہو گیا۔ تدفین ۱۹ر جون کو بعد نماز ظہر مسجد یعقوب صاحب، کٹل پور سے متصل قبرستان میں عمل میں آئی۔ ڈاکٹر ساغر جیدی نے 70 کے دہے میں علاقے کے نوجوان شعرا کی صلاحیتوں کو نکھارنے میں اہم رول ادا کیا۔ ۱۹۷۳ میں شائع ہونے والے شعری مجموعے 'ٹھیلے' نے کڑپہ کی ادبی شناخت کو ملک گیر پیمانے پر مستحکم کیا۔ اپنے دیگر احباب کے ساتھ ساغر صاحب کا اس کتاب کی اشاعت میں اہم کردار رہا۔ اردو کے علاوہ تلگو اور ہندی زبانوں میں بھی شعری اور نثری کتابیں شائع کیں جن کی کل تعداد 22 ہے۔ ڈاکٹر ساغر جیدی کئی علمی و ادبی تنظیموں سے وابستہ رہے ہیں۔ وہ دو میعادوں کے لیے ریاستی حج کمیٹی کے رکن رہے۔ رائل سیما اردو رائٹرس فیڈریشن اور کڑپہ ویلفیئر سوسائٹی کے بانی صدر کی حیثیت سے بھی خدمات انجام دیں۔ ان کی خدمات کے اعتراف میں امتیاز میر ایوارڈ (لکھنؤ) کے علاوہ آندھراپردیش اردو اکیڈمی نے بھی مجموعی ادبی خدمات برائے شاعری امجد حیدرآبادی ایوارڈ سے بھی انھیں نوازا۔ مرحوم کے پس ماندگان میں اہلیہ کے علاوہ چار بیٹے اور ایک بیٹی شامل ہیں۔

ادارہ 'ہماری زبان' مرحوم کے لیے مغفرت اور پس ماندگان کے لیے صبر جمیل کی دعا کرتا ہے۔ (ادارہ)

نئی کتابیں

تبصرے کے لیے دو کتابوں کا آنا ضروری ہے

نام کتاب : ہندوستانی فلمیں اور اُردو
ترتیب : ڈاکٹر امام اعظم
ضخامت : ۲۰۷ صفحات
قیمت : ۲۵۰ روپے
ناشر : شاہد پبلی کیشنز 2253 ریشم اسٹریٹ کوچہ چیلان دریا گنج نئی دہلی 110002
تبصرہ نگار : سعید اختر اعظمی
sakhtar0075@gmail.com

"فلموں نے عام آدمی کی زبان کو فروغ دیا ہے۔ یہ زبان امیر خسرو اور کبیر سے چلتی ہوئی آرزو کی سریلی بانسری سے ملتی ہوئی ابن انشا اور ساحر تک آتی ہے۔ ان شعرا کے یہاں جو زبان ہے وہی فلموں کی زبان ہے" ندا فاضلی کی یہ رائے ہندوستان کے فطری مزاج اردو کا چہرہ سامنے لاتی ہے جسے برٹش حکومت نے سینسر کرتے ہوئے ہندوستانی یعنی اردو ہندی کا اشتراک کہا اور اسے عہد حاضر میں متعصبانہ رویہ اپناتے ہوئے ہندی کا نام دے دیا گیا ہے۔ اردو زبان سے استفادہ کرتے ہوئے فلمسازوں، ہدایت کاروں، منظر نامہ و کہانی تیار کرنے والوں اور نغمہ نگاروں نے اپنی صلاحیتوں کے جوہر دکھائے ہیں۔ پریم چند، خواجہ احمد عباس، راجندر سنگھ بیدی، کرشن چندر اور غلام عباس کی تحریروں کو پردۂ سیمیں پر طمطراق کے ساتھ پیش کیا گیا۔ آغا جانی کاشمیری، عصمت چغتائی، کمال امروہوی، اختر الایمان، راہی معصوم رضا، سلیم جاوید اور گلزار کے موزوں اور برمحل مکالمے اسی لیے ناقابل فراموش ہیں۔ شکیل، ساحر، جذبی، کیفی، مجروح، جوش اور دیگر شعرا پر ہی موقوف نہیں میر و غالب، فیض، مجاز اور اقبال وغیرہ کو بھی نغمانیت دے دی گئی ہے۔

'ہندوستانی فلمیں اور اردو' ۱۳ فروری 2012 کو الفاروق ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر ٹرسٹ گنگوارہ دربھنگہ میں منعقدہ سیمینار میں پیش کیے گئے مقالات اور 'تمثیل نو' کے جنوری تا ستمبر 2010 میں تحریر کردہ مقالوں کی کتابی صورت ہے۔ اس کے مندرجات کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ اول میں فنکاروں سے گفتگو کے تحت دلیپ کمار (مظہر امام، سید منظر امام) امیتابھ بچن و راجکمار (مناظر عاشق ہرگانوی) DDLJ، مغل اعظم (ڈاکٹر زیبا شمائل) کے علاوہ 'ہندوستانی فلموں کے تابندہ ستارے' بھی ہے۔ دوم 'ہندوستانی فلمیں' کے تحت حسن امام، رشیدہ انجم، نگار عظیم، ایم اے ضیاء، امام اعظم اور ڈاکٹر عبد الودود قاسمی کی تحریریں ہیں۔ سوم 'اردو اور فلمیں' کے ضمن میں پروفیسر شاکر خلیق، پروفیسر رئیس انور، پروفیسر منصور عمر، شمس جلیلی، مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر قاسم خورشید، ابوذر ہاشمی، ڈاکٹر عالمگیر شبنم، ڈاکٹر ہمایوں اشرف، احمد جاوید، وصیہ عرفانہ اور ڈاکٹر محمد بدرالدین کے نظریات قابل تحسین ہیں۔ چہارم نغمہ نگاری، موسیقی، آئٹم سانگ، اسکرپٹ رائٹنگ، فکشن، اسکرین پلے، مکالمہ نگاری اور کردار نگاری پر پروفیسر خالد سعید، ابراہیم اشک، مراق مرزا، صفی اختر، سرور کریم، ڈاکٹر مجیر احمد آزاد اور معین گریڈیہوی کے مباحث ہیں۔ پنجم 'رسائل و جرائد کی تاریخ' شکیل احمد سلفی اور امام اعظم کا نقطۂ نظر ہے۔ اول الذکر نے ماہنامہ 'شمع' کی تاریخ بیان کی ہے جس کا پہلا شمارہ ستمبر 1939 میں منظر عام پر آیا تھا۔ اس کا آخری شمارہ دسمبر 1999 میں شائع ہوا تھا جس کا ذکر یہاں مفقود ہے۔ ثانی الذکر نے شبستاں لاہور، چترا، اداکار، مصور، پارس، گرو گھنٹال، نرگس، کہکشاں، دیپ فلمی، استارہ، فلمی ستارے، شمع، تصویر، روبی، رومان، شباب، گلفام، شاہکار، صورت اور سرینج لکھنؤ کے فلم نمبر کا ذکر کیا ہے۔ 'ہندوستانی فیچر فلم کی حقیقت' میں ڈاکٹر قمر علی نے رنجیت کا حقیقی نام حامد علی خان لکھا ہے جب کہ یہ اجیت کا نام ہے جن کا معروف مکالمہ 'سارا شہر مجھے لائن کے نام سے جانتا ہے' ہے۔ شرمیلا ٹیگور غیر مسلم بنگالی اداکارہ رہی ہیں جنھوں نے نواب منصور علی خان پٹودی سے شادی کے وقت اسلام قبول کیا تھا اور عائشہ سلطانہ کا وقتی لیبل لگا لیا تھا۔ ان کے فرزند سیف علی خان کی پہلی شادی پنجابی اداکارہ امریتا سنگھ سے ہوئی تو ایک بار عائشہ نام کی تجدید ہوئی۔ اب یہ تا حال صیغۂ راز میں ہے کہ سیف کی دوسری بیگم قرینہ کپور نے رکھی شادی کے وقت کون سا نام تجویز کیا۔ ہندوستانی کرکٹر محمد اظہرالدین نے اپنی پہلی بیوی نورین کو طلاق دے کر اداکارہ سنگیتا بجلانی سے شادی کی تو انھیں وقتی طور پر عائشہ نام دیا گیا۔ اداکار دھرمیندر نے اپنی پہلی بیوی پرکاش کور (سنی دیول، بابی دیول کی ماں) کی موجودگی میں اداکارہ ہیما مالنی سے دوسری شادی کی تو قانونی بندشوں سے نپٹنے کے لیے دلاور اور عائشہ بی بی کا چولا نکاح کے وقت ڈال لیا۔

منثور کے ساتھ منظوم حصہ بھی اس کتاب کی زینت ہے جس میں احسان ثاقب اور عبدالمنان طرزی کے تاثرات ہیں۔ امام اعظم نے یہ کتاب پیش کرکے غور و فکر کے نئے دریچے وا کیے ہیں۔ اس موضوع کو مزید وسعت دیتے ہوئے 1931 تا حال فلموں کی ڈائرکٹری تیار کی جانی چاہیے۔

000

نام کتاب : لالہ رُخ (افسانوی مجموعہ)
مصنف : وریندر پٹواری
ضخامت : ۳۰۴ صفحات
قیمت : ۳۵۰ روپے
ناشر : موڈرن پبلشنگ ہاؤس ۹۔ گولا مارکیٹ دریا گنج نئی دہلی 110002
تبصرہ نگار : دیپک بدکی
deepak_budki@gmail.com

وریندر پٹواری اردو کے معروف افسانہ نگار، ڈرامہ نگار اور ٹی وی اسکرپٹ رائٹر ہیں جن کا قلم گزشتہ اڑتالیس سال سے اردو ادب کی خدمت کر رہا ہے۔ اب تک ان کی 270 سے زائد کہانیاں ملکی و غیر ملکی رسالوں میں شائع ہو چکی ہیں۔ آٹھ افسانوی مجموعے، دو ڈراموں کے مجموعے، ایک ہندی ناولٹ اور ایک کشمیری افسانوں کا مجموعہ منصۂ شہود پر آچکا ہے۔ زیر نظر افسانوی مجموعہ ان کے شائع شدہ پچاس افسانوں کا انتخاب ہے۔

وریندر پٹواری کے افسانوں میں نہ صرف ذاتی کرب کی جھلکیاں دکھائی دیتی ہیں بلکہ معاشرے میں ہو رہی بے انصافیوں اور بدعنوانیوں کی تصویریں بھی ملتی ہیں۔ ذاتی مصیبتوں کا ذکر ان کے افسانوں میں اکثر دیکھنے کو ملتا ہے جیسے جسمانی معذوری کا بیان، بیٹی کی موت کی خبر، موسیقی اور ادب سے لگاؤ، باپ بیٹی کا رشتہ وغیرہ۔ مگر پھر بھی ان کی 'آشا' مرتی نہیں بلکہ ایک نئی امید کی کرن بن کر آتی ہے۔ دیکھا جائے تو ان کا قلم سب سے زیادہ اس دور میں متحرک رہا جب اردو ادب پر جدیدیت کا غلبہ رہا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے یہاں خود کلامی، علامتوں، تشبیہوں اور تلمیحوں کا اکثر استعمال ہوتا ہے۔ ہندو اساطیر اور دیومالیات سے وہ بے حد متاثر ہیں اور اپنے افسانوں میں ان کا حوالہ جابجا دیتے ہیں۔ شو اور پاروتی، کام دیو اور رتی، وشوامتر اور مینکا، مہابھارت کا یُدھ، وشنو اور شیش ناگ، راکھشس اور ناگ وغیرہ کا ذکر اکثر آتا ہے۔ اسی طرح وہ قدیم داستانوں سے بھی رستم سہراب اور افراسیاب جیسے کرداروں کا حوالہ دیتے ہیں۔ کہیں کہیں افسانوں کے کرداروں کے ناموں میں بھی معنویت نظر آتی ہے، مثلاً 'کلپنا' کے کردار وشو (کائنات) اور وسندھرا (زمین)۔ ان کے کئی افسانوں کے موضوعات میں خیر و شر کی مقاومت اور تدبیر اور تقدیر (کرم اور بھاگیہ) کی آپسی رسّی دکھائی دیتی ہے جو غالباً ان کے ہندو فلسفے کا نتیجہ ہے۔ البتہ اساطیری کرداروں کا تذکرہ اور بیان کیے گئے ناممکن حادثات کبھی کبھی افسانے میں الف لیلائی کیفیت پیدا کرتے ہیں۔

کشمیری ہونے کے ناتے ان کے افسانوں میں کشمیر کے خوب صورت مناظر، نباتات و حیوانات جیسے پہاڑ، جھیل، ندی نالے، جنگل، ہانگل، ریچھ اور مرغابیوں وغیرہ کا بیان اکثر ملتا ہے۔ کئی افسانوں کے کردار برہمن ہیں جب کہ کئی افسانوں میں جنگلات کے ٹھیکیداروں کی کارستانیوں پر روشنی ڈالی گئی ہے کیوں کہ زندگی میں دونوں سے ان کا واسطہ پڑا ہے۔ ریاست جموں و کشمیر میں سیاست دانوں کے بعد جنگلات کے ٹھیکیدار ہی ہیں جو اس دھرتی کی لوٹ کھسوٹ میں سرگرم عمل ہیں۔ ۱۹۹۰ میں ہجرت کرنے کے باوجود وہ اپنے مادر وطن کو نہیں بھول پائے ہیں۔ افسانہ 'مینا بازار' کی کھوپڑیاں، ہڈیوں کے پنجر اور بسوں کے خول، 'مرزا' کا ہانگل اور 'خوف' کا کتا بھی انہی تباہیوں کے علامیے ہیں۔ حیرت کی بات تو یہ ہے کہ افسانہ 'مرزا' میں ایک حب الوطن سپاہی کا بیٹا بھی ماحول کی آلودگی کے سبب دہشت گرد بن جاتا ہے۔ مجموعے میں دہشت گردی سے متعلق کئی اور افسانے ہیں مثلاً دستک، دشمن وغیرہ۔ اس نفسا نفسی کے عالم کے باوجود افسانہ نگار امن کے خواہاں ہیں اور 'دشمن کے بچے' جو امن کا علامیہ ہے، کو اپنے دل کے قریب رکھتے ہیں۔ کئی کہانیاں جرائم کی کہانیاں (Detective Stories) بن کر رہ گئی ہیں مثلاً 'کرب' اور 'واردات'۔ چوں کہ وریندر پٹواری فلموں کے شوقین رہے ہیں اور ٹی وی سے بھی منسلک رہے ہیں اس لیے ان کے افسانوں میں ڈرامائیت کا عنصر غالب نظر آتا ہے۔ کہیں کہیں وہ انگریزی الفاظ جیسے ناسٹرڈامس اور مارلن منرو کا استعمال کرتے ہیں کیوں کہ ان الفاظ کے متبادل اردو میں موجود نہیں ہیں۔

جہاں تک موضوعات کا تعلق ہے، وریندر پٹواری کے اکثر افسانے ذاتی کرب اور انسانی نفسیات پر مبنی ہیں، مثلاً 'ایک اور ابھاؤ' (بیٹی کا پیار اور امید)، 'بس ایک بار' (ناکام خواہشیں)، 'ڈرپوک' (سوتیلے بچے کا خواب)، 'جواب' (عدم تحفظ اور فرار)، 'گناہ' (انسان کا منتقل پن)، 'انجلی کی کہانی' (قسمت کا کرشمہ)، 'پیاسی آنکھیں' (الیکٹرا کمپلیکس)۔ افسانہ 'ایک ہی خواہش' میں گھر پر کام کرنے والی مفلس لاچار تیلی دلہن میں کام کرنے کے آفر کو اس لیے ٹھکراتی ہے کیوں کہ اس نے اپنی زندگی میں صرف ایک خواب پالا ہوتا ہے اور وہ ہے اپنے بھتیجے کی کسی ملازم لڑکے سے شادی کر کے گھر بسانا۔ چھوٹے لوگوں کی چھوٹی آرزوئیں۔ افسانہ 'جنون' کی طوائف اپنے چاہنے والے

سے شادی کرنے سے اس لیے انکار کرتی ہے کیوں کہ وہ اپنے شوہر سے محبت کرتی ہے اور یہ پیشہ اس نے زندہ رہنے کے لیے مجبوراً اختیار کیا ہے۔ ویریندر پٹواری نے معاصر سماجی اور سیاسی مسئلوں پر بھی کئی خوب صورت افسانے رقم کیے ہیں جیسے 'شرم' (بچوں کی آبرو ریزی)، 'ردوبدل' (بزرگوں کی دیکھ ریکھ)، 'گھر' (مکانوں کی قلت)، 'تیسرا مقدمہ' (کرشانی بابا کی ایذا پرانو)، 'کھیل' (سیاست دانوں کا بہروپ)، 'عذاب' (فرقہ واریت)۔ افسانہ 'کیوں؟' ماضی میں کارگل جنگ کی موذو پلی کی کوششوں کی یاد دلاتا ہے۔ افسانہ 'خوشبو' میں آج کل کے ہندستان کے بارے میں رائٹر نے بہت اچھی بات کہی ہے کہ "جس باغ کا مالی سویا پڑا ہو اس میں خوشبو سونگھنے والے بھی آتے جاتے رہیں گے اور پھولوں کو کچلنے والے بھی گھسے رہیں گے۔"

اسلوب کے بارے میں پٹواری فرماتے ہیں کہ "دراصل ان تمام افسانوں کے حوالے سے بس اتنا بتا دینا چاہتا ہوں کہ ہر کہانی اور میرے ہر افسانے کے مرکزی خیال اور مواد نے خود مجھ سے اسلوب طلب کیا ہے۔" بہر حال جدیدیت کے زیر اثر پٹواری کے اکثر افسانوں میں ارتکازی کی راہتی ہے کیوں کہ کچھ افسانے زمان و مکان میں بے ترتیب پھیلتے چلے جاتے ہیں اور اپنا فوکس کھو بیٹھتے ہیں۔ جدید طرز انداز کے باوجود انھوں نے بیانیہ کا ساتھ کبھی نہیں چھوڑا اور اپنے افسانوں میں ترسیل کی کمی محسوس نہیں ہونے دی۔ ان کے افسانوں میں کہیں کہیں طنز کی کاٹ بھی نظر آتی ہے، مثلاً 'ناسخ' میں لکھتے ہیں: "جاہو اپنی دولت کے پہاڑ سے کچھ پتھر نکال کر ماضی کے نشانات کو ان سے ہی مٹا کر... ایک ایسا آشیانہ بنا کر اس میں کچھ کس میری کی زندگی گزارنے والے معقول شعرا کو پناہ دے کر... ان کی مدہوشی میں کہے کلام کو اپنے یادداشت کے خزانے میں ڈال کر... ان کے کلام کو اپنا کلام بتا کر... اپنی شناخت بنا ڈالو..."

مجموعی طور پر مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ ویریندر پٹواری کا زیر نظر افسانوی مجموعہ ان کی افسانوی دنیا کی بازیافت ہے اور ان کے فکر و نظر کو جاننے کے لیے بہت اہم ہے۔ مجھے امید ہے کہ اس مجموعے کی اردو حلقوں میں خوب پذیرائی ہوگی۔

⊙⊙⊙

بقیہ صفحہ ۵ سے آگے

بقیہ صفحہ ۵ سے آگے

ہوا ہے، جہاں ان کی تعداد کے اعتبار سے 569 لکچررس کی خدمات درکار ہے، لیکن حکومت صرف 130 لکچررس کو ریگولر اساس پر فراہم کر پارہی ہے، جو مطلوبہ لکچررس کے 23 فیصد حصے کو ہی تکمیل کرپاتا ہے۔ ریاستی حکومت اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے 49 فیصد یعنی تقریباً 279 لکچررس کو کنٹریکٹ اساس پر رکھے ہوئے ہے۔ یاد رہے کہ یہ کنٹریکٹ لکچررس اس ضرورت کی 50 فیصد حصے کی ہی تکمیل کرتے ہیں۔ ریاست میں چار تا پانچ کالج ایسے ہیں جن کو کنٹریکٹ لکچررس فور ریگولر لکچرر کے بغیر چلا رہے ہیں۔ اس کے علاوہ 10 فیصد یعنی تقریباً 60 اسامیاں بغیر لکچرر کے خالی ہیں جس پر حکومت کسی بھی لکچرر کا تقرر کرنے سے گریز کیے ہوئے ہے۔ ریاست کے ان 18 اضلاع میں چلنے والے مختلف کالجس اساتذہ کی ضروریات کے علاوہ کئی ایک بنیادی سہولتوں سے بھی محروم ہیں۔ ریاست بھر میں کئی ایک کالج Self Finance پر سرگرم ہیں۔ اردو میڈیم کالجوں میں گورنمنٹ جونیر کالج مدھول، سرپور کاغذ نگر، راے چوٹی (بوائز)، بانسواڑہ، ارمور، سدا سیو پیٹ، ظہیرآباد اور کوئی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ ان مذکورہ بالا کالجوں میں لکچررس کے پوسٹ نہ ہونے کے سبب طلبہ بہترین تعلیمی سہولیات سے محروم ہیں، جن میں کافی تعداد لڑکیوں کی ہے۔ کئی کالج میں CEC سیکشن کی ضرورت ہے تو کئی کالجوں میں MPC اور BPC سیکشن شروع کرنے کی اشد ضرورت لاحق ہے، جن میں گورنمنٹ جونیر کالج نانڈور، بھینسہ، نرمل (بوائز)، نرمل (گرلز)، میدک (گرلز)، کوہیر (گرلز)، کریم نگر، جگتیال، کورٹلہ وغیرہ قابل ذکر ہیں جہاں مقامی عوام اور اساتذہ کے ضلعی انتظامیہ کو بارہا متوجہ کروانے کے بعد بھی کوئی خاطر خواہ کارروائی انجام نہیں دی گئی۔ باوجود اس کے کہ طلبہ کی کثیر تعداد موجودہ سیکشن میں زیر تعلیم ہے۔ حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے ریاست بھر میں اقلیتی اردو داں طبقے کے لیے جملہ پانچ ریزیڈنشل کالج چلائے جارہے ہیں جن میں چار بوائز کے لیے نکلور، حیدرآباد، کرنول اور نظام آباد میں قائم ہے جب کہ چتور ضلع کے والیپاڈو مقام پر طالبات کے لیے اردو اقامتی جونیر کالج قائم ہے، جہاں طلبہ کے لیے طعام، تدریس، رہائش و دیگر سہولیات مکمل مفت دستیاب ہوتی ہیں۔ مذکورہ بالا چاروں کالجوں کا سروے کے بعد پتا چلا ہے کہ ہر کالج میں حکومت نے 230 طلبہ کے لیے گنجائش فراہم کی ہے لیکن APRJC-CET میں اردو داں طبقے سے تعلق رکھنے والے ماننارٹی طلبہ تعلیمی پس ماندگی اور عدم شعور کی بنا پر بہت قلیل تعداد میں حصہ لیتے ہیں۔ اور امتحان لکھنے والے بہت سارے طلبہ مستحق بھی قرار نہیں پاتے اور حکومت کم داخلوں کو بنیاد بناتے ہوئے غیر اردو داں طبقے کے طلبہ کو داخلہ دلواتی ہے جو کہ جی او ایم ایس نمبر 1983/1997 کی بالکل خلاف ورزی ہے۔ مذکورہ بالا کالجوں میں حکومت کی جانب سے لکچررس کی 61 اسامیاں مختص کی گئی تھیں لیکن تاحال صرف 25 لکچررس کی خدمات حاصل ہیں جب کہ 39 یعنی 61 فیصد اسامیاں خالی رکھی گئی ہیں۔ صرف 8 فیصد لکچررس سے کنٹریکٹ اساس پر خدمات لی جارہی ہیں۔ ان چاروں کالجوں پر کوئی بھی ریگولر پرنسپل کا انتخاب ابھی تک عمل میں نہیں لایا گیا ہے۔ یاد رہے کہ سوائے نظام آباد اقامتی جونیر کالج کے دیگر تمام کالجوں کی ذاتی بلڈنگ موجود نہیں ہے اور طلبہ کے کھیل کود کے لیے میدان کی سہولت بھی دستیاب نہیں ہے۔ ان تمام کالجوں میں صاف صفائی، نگرانی اور دیگر ضروری کاموں کی انجام دہی کے لیے ریگولر پوسٹ کا نظم بھی نہیں ہے۔ ان میں کئی کالجوں میں بہتر بیت الخلا اور روشنی کے انتظام کا فقدان پایا جاتا ہے۔ ان تمام مسائل کے بعد ایس آئی او آندھرا پردیش مندرجہ ذیل مطالبات حکومت وقت کے سامنے پیش کررہی ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ حکومت جی او ایم ایس نمبر 1983/1997 کے مطابق ان کالجوں میں اقلیتی طبقے کے صرف اردو میڈیم طلبہ کو داخلہ دلوانے پر قائم رہے۔ اردو میڈیم طلبہ کو APRJC-CET سے مستثنیٰ کرتے ہوئے طلبہ کے داخلے کو میرٹ بنیاد پر یقینی بنائے۔ اسی طرح حکومت اردو میڈیم لکچررس کے تقرر کے لیے علاحدہ DSC کا انتظام کرے اور آئندہ آنے والے APPSC اعلامیہ میں اردو میڈیم جونیر لکچررس کی خالی جملہ 1439 اسامیوں کو پُر کرنے کا وعدہ کرے۔ ریاست بھر میں کام کرنے والے تمام کنٹریکٹ لکچررس کے ساتھ انصاف کرتے ہوئے حکومت ان کی خدمات کو بحال اور طلبہ و اساتذہ کی پریشانیوں کو حل کرے۔

(سیاست۔ حیدرآباد)

انجمن ترقی اردو (ہند) کی چند مطبوعات

پہلا ورق (سہ ماہی اردو ادب کے منتخب اداریے) اسلم پرویز
(انتخاب و ترتیب: شمس الحق عثمانی، محمد فیروز دہلوی) =/۳۰۰
راس مسعود — حکیم سید ظل الرحمن =/۲۵۰
ہاشمل — اطہر فاروقی =/۲۲۰
سیرت فریدیہ (سرسید کے نانا خواجہ فریدالدین احمد خاں اور دیگر افراد خاندان کے حالات)
مصنف: سرسید احمد خاں، مرتب: خلیق انجم =/۱۵۰
ہندستان میں اردو سیاست کی تفہیم نو — اطہر فاروقی =/۲۶۰
انقلاب ایک تاریخ، ایک تہذیب کی کہانی — عابداللہ غازی =/۸۵
بلیک ہول (دو مابعتی آورش پہلی طویل دستاویز) — ڈاکٹر مظفرالدین فاروقی =/۱۲۰
دوکان شیشہ گراں (کتابیں اور لوگ) — شمیم حنفی =/۲۰۰
دلی کے محاورے — سید ضمیر حسن دہلوی =/۱۰۰
مجھے سب ہے یاد ذرا ذرا — خلیق انجم =/۲۳۰
سن ستاون کی دلّی اور بہادر شاہ ظفر — اسلم پرویز =/۱۵۰
آزاد ہندستان میں اردو زبان تعلیم اور صحافت — اطہر فاروقی =/۱۶۰
ہندستان میں فکری و تہذیبی اصلاح کا آغاز اور ماسٹر رام چندر
صدیق الرحمن قدوائی =/۱۸۰
The Court of Indar (اندر سبھا) (سید آغا حسن امانت)
افروز تاج =/۳۰۰
اردو ہے جس کا نام (رباعیات کا مجموعہ) امیر چند بہار =/۲۱۰
پریم چند گھر میں (شورانی دیوی) — مترجم: سید حسن منظر =/۲۰۰
ادب کی سماجیات: تصور اور تعبیر (مینجر پانڈے) مترجم: سرور الہدیٰ =/۲۰۰
دہلی کے مسلمان دانشور (انیسویں صدی) مصنف: مشیر الحسن
مترجم: مسعود الحق =/۲۲۵
گفتگو ان کی — اطہر فاروقی =/۱۵۰
جہان اقبال — عبدالرحیم خان =/۷۵
کرشن چندر کے ناولوں کا تنقیدی مطالعہ (سیاسی اور سماجی پس منظر میں)
ڈاکٹر عبدالسلام صدیقی =/۸۵
ہم سفروں کے درمیان — شمیم حنفی =/۱۵۰
ڈاکٹر بشیر بدر کی شاعری (دیوناگری) — ڈاکٹر انجم بارہ بنکوی =/۶۰
محقق غالب کالی داس گپتا رضا — محمد عارف خاں، ثاقب صدیقی =/۸۰
ہماری رسمیں — ڈاکٹر نریش =/۸۵
خواجہ غلام السیدین — پروفیسر آل احمد سرور =/۲۲۰
خواجہ غلام السیدین (مضامین اور تقریریں) خلیق انجم =/۱۰۰
اقبال یورپ میں — ڈاکٹر سعید اختر درانی =/۲۵۰
دیوان بیان (احسن اللہ خاں بیان) — ارجمند آرا =/۱۵۰
نوادر اقبال یورپ میں — ڈاکٹر سعید اختر درانی =/۱۳۰
بھگوت گیتا (اردو منظوم) — شان الحق حقی =/۷۰
جگنوؤں کی دنیا — قرۃ العین حیدر =/۹۰
انتخاب جدید (۱۹۱۴ء تا ۱۹۲۲ء) — آل احمد سرور، عزیز احمد =/۱۳۰
مصطلحات ٹھگی (علی اکبر الہ آبادی) — رشید حسن خاں =/۱۲۰
انتخاب عزیز لکھنوی — خلیق انجم =/۳۰
انتخاب فراق گورکھپوری — انجمن ترقی اردو (ہند) =/۳۰

آسمانِ صحافت و ادب کے تابناک ستارے

عابد و جگر

ڈاکٹر مسعود جعفری (8-1-43/1/A/5، پوسٹ آفس شیخ پیٹ، حیدرآباد - 500 008)

محترم عابد علی خاں اور محبوب حسین جگر کا نام آتے ہی ذہن میں علم و آگہی کے چراغ روشن ہو جاتے ہیں۔ ان بزرگوں نے اردو صحافت کو وقار و اعتبار بخشا۔ خبروں کی تطہیر کی۔ اردو صحافت میں معیار پیدا کیا۔ روزنامہ 'سیاست' کو انگریزی اخباروں جیسی سربلندی عطا کی۔ متن کو رطب و یابس سے محفوظ رکھا۔ زبان و بیان کو اختصار سے ہمکنار کیا۔ قومی، بین الاقوامی اور مقامی خبروں کی درجہ بندی کی۔ فرقہ وارانہ مواد کو ترک کیا۔ سیکولر قدروں کی آبیاری کی۔ جمہوریت، سوشلزم اور روشن خیالی کو فروغ دیا۔ حیدرآباد کی گنگا جمنی تہذیب کو جلا بخشی۔ انسان دوستی کے اعلا و ارفع تصور کی نشوونما کی۔ بکھرتے سمٹتے جاگیردارانہ ماحول میں خوشگوار تبدیلی لائی۔ پژمردہ دلوں میں امید و یقین کی جوت جگائی۔ نئے ابھرتے ہوئے سماجی، سیاسی، معاشی نظام کا استقبال کیا۔ رجعت پسندی کے بجائے ترقی پسند رجحانات کو اخبار کے اوراق کی زینت بنایا۔ اداس نسلوں میں ہمت و حوصلے کے احساسات ودیعت کیے۔ ان کی سوچ میں عقلیت اور تجزیہ نگاری کا میلان پیدا کیا۔ آصفیہ سلطنت کے زوال کے بعد ریاست اور حیدرآباد میں فضا سوگواری ہوگئی تھی۔ معاشرتی ادبار سے لوگ دوچار ہو رہے تھے۔ ایک طرف انتہا پسندی اور دوسری جانب مرعوبانہ ذہنیت پروان چڑھ رہی تھی۔ ایسے فکری انتشار کے دور میں عابد علی خاں صاحب اور محبوب حسین جگر صاحب نے اعتدال کے راستے کا انتخاب کیا۔ بکھرے خیالات میں توازن، جوش کے عوض ہوش کو ترجیح دی۔ تن بدن میں آگ لگانے والی فکر سے کنارہ کشی کی۔ قارئین کے لیے صبر و استقلال سے حالات کا سامنا کرنے کا جادہ ہموار کیا۔ ملک کے علاوہ شہر فرخندہ بنیاد میں بھی آزادی آچکی تھی۔ ماضی خواب و خیال بن چکا تھا۔ اب امروز و فردا کے گیسو سنوارنے تھے۔ اک انقلاب دروازے تک آچکا تھا۔ ایسے میں انھوں نے ظفر اقبال سے اتفاق کیا:

آفتاب تازہ پیدا بطن گیتی سے ہوا
آسماں ٹوٹے ہوئے تاروں کا ماتم کب تک

انھوں نے صحافت کو تیزی سے ابھرتے ہوئے چیلنجوں سے ہم آہنگ کیا۔ 'سیاست' ادبی، سماجی، تہذیبی و ثقافتی نظریات و فلسفے کی آماجگاہ بن گیا۔ اس کے مطالعے سے ادراک کا کینوس وسیع ہونے لگا۔ یہ دیکھتے ہی دیکھتے دانشوروں کا زبردست پلیٹ فارم بن گیا۔ تلنگانہ ہی نہیں ہند و پاک کے صف اول کے ادیب و شاعر، تجزیہ نگار، سماجی خدمت گار اس میں لکھنے لگے۔ نامور انقلابی شاعروں کی تخلیقات شائع ہونے لگیں، لوگوں میں انھیں پڑھنے کا شوق گریز کی حدوں کو چھونے لگا۔ سردار، کیفی، مخدوم، جاں نثار اختر، مجروح، اریب، اوج، وحید اختر، شاہد صدیقی، طالب رزاقی، روحی قادری، مدنی، شاذ، جامی، جلیلی، سعید شہیدی کے علاوہ دیگر اچھے اچھے شعرا و شاعرات چھپنے لگیں۔ ہندستان و پاکستان، لندن، امریکہ سے کوئی قلم کار شہر میں وارد ہوتا تو اس کا انٹرویو اور نگارش سیاست کے صفحات میں دکھائی دیتے۔ عابد صاحب و جگر صاحب کی شخصیتیں قد آور تھیں۔ ہر آدمی ان کا احترام دل و جان سے کرتا تھا۔ ان کی سنجیدگی، متانت اور تحمل مثالی تھا۔ وہ اپنی حیات ہی میں ایک ادارہ، ایک انجمن بن چکے تھے۔ ان کا نام اور تذکرہ گھر گھر ہوا کرتا تھا۔ شعرائے کرام، سیاست داں، صنعت کار، قائدین شہر ان سے مل کر خوشی و مسرت سے سرشار ہو جاتے تھے۔ دونوں نہایت خلیق، خوش مزاج اور حساس تھے۔ خاموشی سے ضرورت مندوں کی مدد کر دیتے تھے۔ سیدھے ہاتھ کی خبر بائیں ہاتھ کو نہیں ہوتی تھی۔ وہ فراخ دلی و حسن اخلاق کی جیتی جاگتی تصویر تھے۔ انھوں نے اخبار کے معیار پر کوئی سمجھوتہ نہیں کیا۔ ہر لحظہ نیا طور نئی برق تجلی، اللہ کرے مرحلۂ شوق نہ ہو طے کے مصداق 'سیاست' اخبار عوام کے دلوں کی دھڑکن بنا رہا۔ دونوں اصحاب میں کام کی دھن نقطۂ عروج پر تھی۔ ان کا Self Discipline دوسروں کے لیے مشعل راہ تھا۔ 'سیاست' میں غلط سلط خبروں کی اشاعت کا چلن نہیں رہا۔ چھوٹی سی چھوٹی چیز کا خیال رکھا جاتا تھا۔ اخبار میں شفافیت برتی جاتی تھی۔ عابد صاحب کے شانہ بہ شانہ جگر صاحب بے جگری سے روز و شب کد و کاوش کرتے تھے۔ دفتر 'سیاست' سے غیر حاضری کا کوئی سوال ہی نہیں تھا۔ سرد و گرم موسموں کی پروا مطلق نہیں تھی۔ صبح نو بجے کے قریب آ جاتے اور اخبار کی صورت گری کے عمل میں مصروف و منہمک ہو جاتے۔ انھیں دیکھ کر لگتا تھا کہ وہ اور 'سیاست' ایک جان دو قالب ہیں۔ ان کے قول و فعل میں یکسانیت تھی۔ ان میں انسان کو پرکھنے کی بے پناہ صلاحیت تھی۔ وہ چہرہ دیکھ کر اچھے برے کو پہچان لیا کرتے تھے۔ دوسرے لفظوں میں وہ فطرت انسانی کے نباض تھے۔ انھیں اہل قلم سے کام لینے کا ہنر آتا تھا۔ ان کے اطراف فن کاروں کی ایک کہکشاں جلوہ گر تھی۔ جگر صاحب کی علمی و ادبی فرمائش کی تکمیل کرتے ہوئے قلم کار فخر محسوس کرتے تھے۔ پارسی رائٹر ہرمز پابندی سے 'سیاست' کے لیے لکھا کرتے تھے۔ ہولی، دیوالی، اگادی پر غیر مسلم حضرات خامہ فرسائی کرتے تھے۔ اس سے قومی یکجہتی کے تصورات کو تب و تاب ملتی تھی۔ اداریہ کی پیشانی پر 'فکر و خیال' کے عنوان سے شہر کی رونمائی ان دانشوروں کی اختراع ہے جس کا تسلسل آج تک برقرار ہے۔ ان لوگوں نے صوری و معنوی لحاظ سے گہرائی عطا کی۔ زینہ بہ زینہ 'سیاست' ترقی کرتا گیا۔ آج وہ جناب زاہد علی خاں کی سرکردگی میں بہت آگے نکل چکا ہے۔ انھوں نے دائرۂ عمل کو ہمہ گیریت دے دی ہے۔ وہ دینی، مذہبی، ثقافتی، سیاسی، تعلیمی اور سماجی سرگرمیوں کا گہوارہ بن چکا ہے۔ اسے اور بلندیاں چھونی ہیں۔ علامہ اقبال پکار کر کہہ رہے ہیں:

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں

OOO

محترم عابد علی خاں اور محبوب حسین جگر کا نام آتے ہی ذہن میں علم و آگہی کے چراغ روشن ہو جاتے ہیں۔ ان بزرگوں نے اردو صحافت کو وقار و اعتبار بخشا۔ خبروں کی تطہیر کی۔ اردو صحافت میں معیار پیدا کیا۔ روزنامہ 'سیاست' کو انگریزی اخباروں جیسی سربلندی عطا کی۔ متن کو رطب و یابس سے محفوظ رکھا۔ زبان و بیان کو اختصار سے ہمکنار کیا۔ قومی، بین الاقوامی اور مقامی خبروں کی درجہ بندی کی۔ فرقہ وارانہ مواد کو ترک کیا۔ سیکولر قدروں کی آبیاری کی۔ جمہوریت، سوشلزم اور روشن خیالی کو فروغ دیا۔ حیدرآباد کی گنگا جمنی تہذیب کو جلا بخشی۔

مدیر: اطہر فاروقی
شریک مدیر: محمد عارف خاں
پرنٹر پبلشر: شاہد خاں مطبوعہ: ثمر آفسیٹ پرنٹنگ پریس، دہلی
مالک: انجمن ترقی اردو (ہند)، اردو گھر، ۲۱۲- راؤز ایونیو، نئی دہلی-۱۱۰۰۰۲
قیمت (فی شمارہ): دو روپے، سالانہ: ۸۵ روپے (بیرونی ممالک: آٹھ امریکی ڈالر)
Phones: 23237210, 23236299, Fax: 011-23236299
E-mail: hamarizaban@atuh.org
http://www.atuh.org